اسلامی زندگی میں

عورت کا مقام

علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی

نام کتاب:	اسلامی زندگی میں عورت کا مقام
مؤلف:	علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی
مترجم:	الیاس نعمانی ندوی
کمپوزنگ:	محمد فیضان اللہ
صفحات:	۱۳۰
قیمت:	
سن اشاعت:	۲۰۱۵ء

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

مقدمہ	۹
عورت بطور انسان	۱۱
غلط اعتراضات	۱۷
بعض احکام میں مرد وزن کے درمیان فرق کی حکمت	۱۷
عورت اور مرد کی گواہی	۱۸
مرد وعورت کی میراث	۲۳
دیت	۲۶
قوامیت	۲۸
عدالتی وسیاسی منصب	۲۹
عورت اپنی نسوانیت کے پس منظر میں	۳۱
مشروع اختلاط	۳۸
حدود نا آشنا اختلاط کے حامیوں کے اعتراضات	۴۸
ان حضرات کا جواب	۴۹
مغربی معاشرے میں آزاد اختلاط کے نتائج	۵۰
۱ــ اخلاقی زوال	۵۰
۲ــ غیر قانونی اولاد کی کثرت	۵۱

۳—غیر شادی شدہ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی کثرت ۵۲
۴—معمولی اسباب کی بنیاد پر خاندان کے بکھرنے اور طلاق کی کثرت ۵۳
۵—مہلک امراض کا پھیلاؤ ۵۳
عورت بطور ماں ۵۵
وہ مائیں جنہیں نقش دوام حاصل ہوا ۵۹
عورت بطور بیٹی ۶۱
عورت بطور بیوی ۷۴
بیوی کی مستقل شخصیت ۸۰
طلاق ۸۱
اسلام نے طلاق کیوں مشروع کی؟ ۸۱
طلاق کے امکانات کی تحدید ۸۳
طلاق کب اور کیسے؟ ۸۷
طلاق کے بعد ۸۸
طلاق کا اختیار صرف مرد کو ہی کیوں؟ ۹۰
علاحدگی کی خواہش مند عورت شوہر سے نجات کیسے حاصل کرے گی؟ ۹۱
طلاق کا غلط استعمال ۹۴
تعدد ازدواج ۹۶
تعدد ازدواج: اسلام اور قدیم امتوں کی نگاہ میں ۹۷
تعدد ازدوج کے لے عدل وانصاف شرط ہے ۹۹

تعدد ازدواج کے جواز کی حکمت	۱۰۰
تعدد ازدواج اخلاقی وانسانی نظام ہے	۱۰۲
مغرب کا تعدد اخلاقی ہے نہ انسانی	۱۰۳
تعدد ازدواج کی رخصت کا غلط استعمال	۱۰۴
تعدد ازدواج کو ممنوع قرار دیے جانے کا مغرب نوازوں کا مطالبہ	۱۰۵
ان لوگوں کے دلائل	۱۰۶
شریعت کسی ایسی چیز کو جائز قرار نہیں دیتی جس میں مفسدہ راجح ہو	۱۰۷
جائز امور کو ممنوع قرار دینے کا حکمراں کا حق	۱۱۰
{وَلَن تَسۡتَطِيعُوٓاْ أَن تَعۡدِلُواْ بَيۡنَ ٱلنِّسَآءِ} کا مطلب	۱۱۱
عورت بطور رکن معاشرہ	۱۱۴
عورت کی سماجی ومعاشی سرگرمیوں کی بابت غلو پسندوں کے دلائل	۱۱۹
ان دلائل کا جواب	۱۲۱
مردوں کے کاموں میں عورتوں کی شرکت کے نقصانات	۱۲۴
عورت کے لئے گھر کے باہر کے کام کب جائز ہیں؟	۱۲۶

☆☆☆

مقدمہ

الحمد للہ والصلاۃ والسلام علیٰ رسول اللہ وعلی آلہ وصحبہ ومن اتبع ھداہ

أما بعد:

یہ بات بکثرت کہی جاتی ہے کہ عورت معاشرہ کا نصف حصہ ہے، اور معاشرہ کو اپنے نصف کو بے سود و معطل نہیں کرنا چاہئے، اور نہ ہی اس پر ظلم کر کے اس کے حقوق تلف کرنے چاہئیں۔

یہ بات بالکل صحیح ہے، بلکہ بعض لوگوں کا تو یہ بھی کہنا ہے کہ عورت اگرچہ اپنی تعداد کے اعتبار سے معاشرہ کا نصف ہے، لیکن قوت تاثیر میں وہ نصف سے زائد ہے، اس لئے کہ عورت (سلبی اور ایجابی طور پر) اپنے شوہر اور اپنی اولاد پر اثر انداز ہوتی ہے، بقول شاعر نیل ع

الأم مدرسةٌ إذا أعددتها أعددت شعباً طَيِّبَ الأعراقِ

(ماں ایک مدرسہ ہے، اگر آپ نے اس کی اچھی تربیت کر دی تو گویا کہ آپ نے نیک فطرت خاندان تیار کر دیا)

اسی وجہ سے علماء، مفکرین، قائدین، مصلحین، داعیوں اور ماہرین تربیت نے عورت کے مسئلہ سے بہت اعتناء کیا ہے، اور اس کے ساتھ منصفانہ سلوک کرتے ہوئے اس کی تکریم کرنے نیز اس کی ظلم و زیادتی سے حفاظت کرنے کی دعوت دی ہے، تاکہ وہ تعلیم، معاشی سرگرمیوں، ذمہ داریوں نیز اپنی مرضی کی جگہ شادی کرنے کا حق پا سکے۔

دوسری طرف بعض دیگر لوگوں نے اس حد پر اکتفاء نہ کر کے اسے جنسی اباحیت و بے راہ روی، ہم جنس کے ساتھ شادی کرنے، بلا ضرورت اسقاط حمل، خاندان کے تئیں غلط رویہ اختیار کرنے اور دینی راہنمائیوں و معاشرہ کے اقدار کی پرواہ نہ کرنے کا اختیار دیا ہے۔

ستمبر ۱۹۹۵ء میں عورتوں سے متعلق جو کانفرنس بیکن میں ہوئی تھی وہ اسی طرح کی ایک کوشش تھی، اس کانفرنس نے جو قرار دادیں پاس کی تھیں وہ عالم اسلام ہی نہیں بلکہ مسیحی دنیا میں بھی زبردست بحث ومباحثہ کا سبب بنی تھیں۔

ہم مسلمانوں کے پاس ایک خداوندی ہدایت نامہ ہے، جو عورت کے ساتھ آخری درجہ کا انصاف کرتے ہوئے اسے اعلیٰ درجہ کی عزت سے نوازتا ہے، اور اسے جاہلیت کے ظلم نیز اس کی ظلمت سے چھٹکارا دلاتا ہے، یہ ہدایت نامہ قرآن کریم ہے، جس نے عورت کو بطور انسان عزت اور انصاف سے نوازا ہے، ایک عورت، بیٹی، بیوی، ماں اور ایک رکنِ معاشرہ ہونے کی حیثیت سے اس کے ساتھ قرآن نے انصاف کیا ہے اور اسے عزت دی ہے۔ ہمیں اس بات کا علم ہے کہ بعض مسلمانوں نے مختلف زمانوں میں عورت پر ظلم کیا ہے، انہوں نے عورت کو دینی علم حاصل کرنے اور معاشی سرگرمیاں اختیار کرنے سے محروم کیا ہے، شریعت نے اسے عبادت اور تعلیم حاصل کرنے کے لئے مسجد جانے کی اجازت دی تھی، ان مسلمانوں نے اسے اس حق سے محروم کیا ہے، اسے اس کی پسند کے خلاف شادی کرنے پر مجبور کیا ہے، اور اس کو گھر کا قیدی بنا کر رکھا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ صحیح دینی علم نہ ہونے کی وجہ سے ہوا، ایسا اکثر نہیں ہوا، بلکہ ہم اپنی بستیوں میں دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی ایک تعداد اس طرز عمل کی انکاری ہے۔

عورت کے تئیں اسلام کے اسی موقف کی وضاحت ہمارا یہ کتابچہ کرتا ہے، اس سے پہلے بھی ہم متعدد کتابوں میں بالخصوص **الحلال والحرام** اور **فتاوی معاصرۃ** (دو جلدیں) میں عورت اور خاندان کے مسائل سے اعتناء کر چکے ہیں۔

امید ہے کہ اگلے صفحات میں افراط وتفریط کے شکار اس مسئلہ کی بابت قاری کو صحیح راہ نمائی ملے گی۔ **وما توفیقی الا باللہ، علیہ توکلت والیہ أنیب۔**

ڈاکٹر یوسف القرضاوی

عورت بطور انسان

اسلام کی آمد کے وقت اس دنیا میں کچھ لوگ ایسے تھے جو عورت کے انسان ہونے کے ہی انکاری تھے، کچھ کو اس بابت شک تھا، دیگر لوگ اس کو انسان تو مانتے تھے لیکن اسے مرد کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی مخلوق سمجھتے تھے۔

اسلام کا یہ احسان ہے کہ اس نے عورت کو عزت دی، اس کے انسان ہونے نیز تکلیف شرعی، ذمہ داری، جزاء وسزا اور جنت میں داخلہ کی اس کی اہلیت کی وضاحت کی، اسے ایک ایسا باعزت انسان مانا جس کو مرد کی طرح انسانی حقوق حاصل ہیں، اس لئے کہ وہ دونوں ایک ہی درخت کی دو شاخیں اور ایک ہی ماں باپ (آدم وحوا) سے پیدا ہوئے بھائی بہن ہیں۔

یعنی دونوں اسلام کی نگاہ میں اصلِ خلقت میں یکساں ہیں، عام انسانی خصوصیات سے یکساں طور پر بہرہ ور ہیں، تکلیفات شرعیہ اور ذمہ داری کے سلسلہ میں ہم مرتبہ ہیں اور جزا وسزا نیز اخروی انجام کے اعتبار سے برابر ہیں۔

اس سلسلہ میں قرآن مجید کا ارشاد ہے : {يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيراً وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيباً}[نساء:١] (اے لوگو! اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، پھر اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا، اور پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور خواتین پھیلائے، اور اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم جوڑے کا سوال کرتے ہو اور رشتہ داریوں کا خیال رکھو، بلاشبہ اللہ تم پر نگراں ہے)۔

اگر تمام انسانوں کو (مردوں کو بھی اور خواتین کو بھی) اللہ نے ایک ہی جان سے پیدا کیا ہے، اور اس سے اس کا جوڑا بنایا ہے تا کہ وہ اس کی تکمیل کرے اور خود بھی اس کے ذریعہ مکمل ہو جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے{ :وَ جَعَلَ مِنهَا زَوْ جَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا} [اعراف:۱۸۹] (اور اس سے اس کا جوڑا بنایا تا کہ وہ اس اپنے جوڑے سے انس حاصل کرے) پھر اس ایک خانوادہ سے اس نے بہت سے مرد اور خواتین کو وجود بخشا، یہ سب ایک رب کے بندے اور ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، یعنی آپس میں سب بھائی بھائی ہیں۔

اسی لئے آیت میں لوگوں کو اپنے رب یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرنے اور آپسی رشتہ داری کا پاس رکھنے کا حکم دیا گیا ہے :{وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَائلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ} (اور اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم سوال کرتے ہو اور رشتہ داریوں کا خیال رکھو)۔

اس نص قرآنی کی روشنی میں مرد عورت کا بھائی اور عورت مرد کی بہن ہے، یہی بات رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمائی ہے :''إنما النساء شقائق الرجال''[۱] (بلاشبہ عورتیں مردوں کی بہنیں ہیں)۔

تکلیف شرعی، تدین اور عبادت کی بابت مرد وزن کے ہم مرتبہ ہونے کا اظہار قرآن مجید یوں کرتا ہے :{إِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِيْنَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِيْنَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِيْنَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِيْنَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِيْنَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِيْنَ

۱۔ یہ حدیث حضرت عائشہؓ کی سند سے امام احمد (۶/ ۲۵۶)، ابو داؤد (۲۳۶)، ترمذی (۱۱۳)، اور دارمی (۱/ ۱۹۵) نے نقل کی ہے۔ اسی طرح یہ حدیث امام احمد (۶/ ۳۷۷) نے اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ عن جدتہ أم سلیم کی سند سے بھی نقل کی ہے، ہیثمی (۱/ ۱۶۸) نے لکھا ہے کہ: اسحاق کا اپنی دادی سے سماع ثابت نہیں ہے، صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ (حدیث نمبر ۲۳۳۳:) میں یہ حدیث مسند بزار کے حوالہ سے حضرت انس کی روایت کے طور پر نقل کی گئی ہے۔

فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِيْنَ اللّٰہَ كَثِيْراً وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللّٰہُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْراً عَظِيْماً} [احزاب: ۳۵] (بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرماں برداری کرنے والے مرد اور فرمانبردار عورتیں، راست باز مرد اور راست باز عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والیاں اور اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں، ان کے لئے اللہ نے مغفرت اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے)۔

بنیادی دینی وسماجی احکام کے سلسلہ میں قرآن دونوں صنفوں کو ہم مرتبہ قرار دیتے ہوئے کہتا ہے{ :وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيْمُونَ الصَّلاَةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيْعُونَ اللّٰہَ وَرَسُولَهُ أُوْلَـئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰہُ}[توبہ :۱] (مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے اولیاء ہیں وہ نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، نمازیں قائم کرتے ہیں، زکاۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، ان پر اللہ عنقریب رحم کرے گا۔)

حضرت آدم کے قصہ میں بھی خداوندی حکم نے انہیں اور ان کی اہلیہ کو یکساں طور پر مخاطب بنایا تھا :{يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلاَ مِنْهَا رَغَداً حَيْثُ شِئْتُمَا وَلاَ تَقْرَبَا هَـذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِيْنَ} [بقرہ: ۳۵] (اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو، اور جہاں سے چاہو فراخی کے ساتھ کھاؤ اور اس پیڑ کے قریب بھی نہ جانا ورنہ ظالم ہوجاؤ گے)۔

قرآن نے اس قصہ کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت آدم کو بہکانے کی نسبت توراۃ کی

طرح حضرت حواء کی جانب نہ کر کے شیطان کی جانب کی ہے : {فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ}[بقرہ:٣٦] (تو شیطان نے ان دونوں کو بہکا کر جہاں وہ تھے وہاں سے نکلوا ہی دیا)

پیڑ سے کھانے کی غلطی صرف حضرت حواء نے نہیں کی تھی، اور نہ ہی آغاز انہوں نے کیا تھا، بلکہ غلطی دونوں سے ایک ساتھ سرزد ہوئی تھی اور توبہ واظہار ندامت بھی دونوں نے ایک ساتھ ہی کئے تھے : {قَالاَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ} [اعراف: ٢٣] (دونوں نے کہا : اے ہمارے رب! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور اگر آپ نے ہمیں معاف نہ فرمایا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم یقینا نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گے)۔

بلکہ بعض آیات قرآنی میں خطا کی نسبت اصالۃً حضرت آدم کی جانب کی گئی ہے : {وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَى آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْماً}[طہ: ١١٥] (اور ہم نے آدم کو پہلے تاکیدی حکم دیا تھا لیکن وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں عزم نہیں پایا)، {فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَى}[طہ ١٢١] (تو شیطان نے اس کے دل میں وسوسہ ڈالا اور کہا کہ کیا میں تمہیں دائمی زندگی کا درخت اور نہ ختم ہونے والی بادشاہت کا پتہ دوں)، {وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى}[طہ: ١٢١] (اور آدم اپنے رب کی نافرمانی کر کے بہک گیا) اسی طرح ایک مقام پر توبہ کی نسبت بھی صرف حضرت آدم کی جانب کی گئی ہے { :ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَى}[طہ: ١٢٢] (پھر اس کے رب نے اس کا انتخاب کرلیا تو اس کی دعا قبول کرلی اور اسے ہدایت دی) اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کے ارتکاب میں اصل وہی تھے، عورت ان کی تابع تھی۔

بہرحال معاملہ کچھ بھی رہا ہو، حضرت حواء کی غلطی کی ذمہ داری صرف ان کے ہی سر ہے، ان کی نسل کی عورتیں اس سے بری ہیں، اس لئے کہ شریعت کی نگاہ میں گناہ کا شاخسانہ صرف اس

کے مرتکب کو ہی اٹھانا پڑتا ہے کسی دوسرے کو نہیں{ :تِلْکَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلاَ تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ}[بقرہ :۱۳۴](یہ جماعت گزر چکی، جو انہوں نے کیا وہ ان کے لئے ہے، اور جو تم کروگے تمہارے لئے ہے، ان کے اعمال کے بارے میں تم سے نہیں پوچھا جائے گا)۔

ثواب اور دخول جنت میں مردوزن کی مساوات کا پتہ قرآن مجید کی اس آیت سے چلتا ہے :{فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لاَ أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَى بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ}[آل عمران:۱۹۵](پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول کرلی کہ تم میں سے کسی بھی عمل کرنے والے مرد یا عورت کے عمل کو میں ضائع نہیں کرتا۔ تم آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہو) اس آیت میں قرآن مجید نے بصراحت یہ بات کہی ہے کہ اللہ کی نگاہ میں اعمال ضائع نہیں ہوتے ہیں خواہ عمل کرنے والے مرد ہوں یا عورت، کہ یہ سب ایک ہی جیسے ہیں، ایک ہی مٹی سے پیدا ہوئے ہیں اور ایک ہی فطرت کے حامل ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے : {مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُون}[نحل:۹۷](جو شخص بھی، خواہ مرد ہو یا عورت، نیک کام کرے ہم اسے پاکیزہ زندگی جلائیں گے اور ان کے نیک اعمال کا بہتر بدلہ بھی انہیں ضرور دیں گے){وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتَ مِن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَـئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلاَ يُظْلَمُونَ نَقِيْرا}[نساء:۱۲۴](جو مرد اور عورت مومن رہتے ہوئے نیک کام کریں وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ذرہ برابر بھی ان کی حق تلفی نہ کی جائے گی)۔

جہاں تک عورت کے مالی حقوق کا سوال ہے تو اسلام نے عرب وعجم کی بہت سی قوموں کے اس نظام کو غلط قرار دیا کہ عورت ملکیت ومیراث کا حق نہیں رکھے گی، یا اسے اپنی مملوکہ اشیاء پر تصرف کی آزادی نہیں ہوگی، اور نہ بیویوں کے مال پر شوہر کا قبضہ ہوگا۔ اسلام نے ان کو ہر طرح کا

حق ملکیت اور مشروع طریقوں سے تصرف کا حق دیا۔اس سلسلے میں اس نے عورتوں کے لئے مردوں کی طرح وصیت و میراث مشروع کی، انہیں خرید و فروخت کرنے، کرایہ پر دینے، ہدیہ کرنے، عاریت پر دینے، وقف یا صدقہ کرنے، نیز کفالت، حوالہ اور رہن جیسے تمام عقود و اعمال کا حق دیا ہے۔

اسی طرح اسلام نے اپنی جان کا دفاع کرنے کی طرح عورت کو تقاضہ جیسے مشروع اعمال کے ذریعہ مال کا دفاع کرنے کے بھی حقوق دیے ہیں۔

عورت کو اسلام نے مرد کی طرح حصول علم کا بھی حق دیا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے حصولِ علم کو مرد کی طرح عورت پر بھی فرض قرار دیا ہے، حدیث نبوی میں فرمایا گیا ہے : **"طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم"** جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر مسلمان پر خواہ وہ مرد ہو یا عورت حصول علم فرض ہے۔اور اس پر اجماع ہے۔

اسی طرح عورت کو مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حق حاصل ہے۔مردوں کی طرح اس سے بھی نماز، روزہ، زکاۃ، حج اور تمام ارکان اسلام جیسے فرائض اور عبادات مطلوب ہیں۔ان اعمال پر اسے مردوں ہی کی طرح ثواب حاصل ہوتا ہے، اور ان اعمال کے ترک پر اسے مرد جیسی ہی سزا ہوگی، مرد کے ہی مثل اس سے بھی سماجی ذمہ داریاں مطلوب ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : **{وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ}** [توبہ :۷۱] (مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے ولی ہیں، وہ نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں)۔

اگر عورت سے کوئی پناہ مانگے تو اسے پناہ دینے کا حق حاصل ہے، اور اس کے پناہ دینے کا لحاظ رکھا جائے گا، جیسے کہ ام ہانی بنت ابو طالب نے فتح مکہ کے موقعہ پر پناہ دی تھی، انہوں نے اپنے ایک مشرک دیور کو پناہ دی تھی، ان کے ایک بھائی اسے قتل کرنا چاہتے تھے، حضرت ام ہانی نے اس کی شکایت رسول اللہ ﷺ سے کی اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرا

ماں جایہ کہتا ہے کہ وہ میری پناہ دیے ہوئے ایک شخص فلاں بن ہبیرہ کو قتل کرے گا! آپ نے فرمایا : ''اے ام ہانی! تم نے جسے پناہ دی ہم نے اسے پناہ دی [۲]۔

غلط اعتراضات :

اسلام میں عورت کے مقام و مرتبہ اور اس کے محترم انسان ہونے کی بابت کچھ لوگوں کے دلوں میں چند اشکالات اور اعتراضات پائے جاتے ہیں۔ ہم ان میں سے چند اہم اعتراضات کا تذکرہ کر کے ان کا جواب دیں گے۔

بعض احکام میں مرد و زن کے درمیان فرق کی حکمت :

ایسا ہی ایک اشکال یہ ہے کہ اگر اسلام عورت کو مرد کے ہم مرتبہ انسان مانتا ہے تو بعض معاملات اور حالات میں وہ مرد کو عورت پر فضیلت کیوں دیتا ہے؟ مثلاً گواہی، میراث، دیت، گھر کی سربراہی اور مملکت کی سربراہی جیسے بعض دیگر جزوی احکام میں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان احکام میں مرد و زن کے درمیان فرق کی بنیاد یہ نہیں ہے کہ مرد عورتوں کے مقابلہ میں اللہ کو زیادہ محبوب اور اللہ کے نزدیک بلند مرتبہ ہیں۔ اس لئے کہ اللہ کے نزدیک تو سب سے بلند مرتبہ وہ لوگ ہیں جو سب سے زیادہ تقوے والے ہوں۔ خواہ مرد ہوں یا عورت، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : {إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُم}[حجرات: ۱۳] (اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت سب سے زیادہ تقوے والا ہے) بلکہ اس فرق کی بنیاد فطرت سلیمہ کے نزدیک مرد وزن کے لئے الگ الگ نوعیت کی ذمہ داریاں ہیں، جن کی وضاحت ہم آگے کریں گے۔

۲۔ متفق علیہ، ملاحظہ ہو اللؤلؤ والمرجان فیما اتفق علیہ الشیخان از: محمد فؤاد عبد الباقی (حدیث نمبر ۱۹۳:)۔

عورت اور مرد کی گواہی :

قرآن مجید کی آیت مداینہ (جس میں اللہ تعالیٰ نے قرض کی تفصیلات تحریر کرنے اور اس کی بابت احتیاط برتنے کا حکم دیا ہے) میں ارشاد ہے : {وَاسْتَشْهِدُواْ شَهِيدَيْنِ من رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاء أَن تَضِلَّ إْحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الأُخْرَى وَلاَ يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا}[بقرہ: ۲۸۲] (اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو، اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کر لو تا کہ ایک کی بھول چوک کو دوسری یاد دلا دے، اور گواہوں کو جب بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں)۔

اس طرح قرآن مجید نے مرد کی گواہی کو دو عورتوں کی گواہی کے برابر قرار دیا ہے۔

اسی طرح جمہور فقہاء کے نزدیک حدود وقصاص کی بابت عورتوں کی گواہی معتبر نہیں ہے۔

الحمد للہ یہ فرق عورت کے مقام انسانیت یا اس کے شرف میں کمی کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ ایسا اس لئے ہے کہ عورت اپنی فطرت اور اپنی مخصوص ذمہ داریوں کی وجہ سے عام طور پر مالی امور اور تمدنی معاملات سے وابستہ نہیں ہوتی ہے۔ وہ عام طور پر ان کاموں سے متعلق رہتی ہے جن میں عورتیں مشغول رہتی ہیں، مثلاً اگر عورت بیوی ہوتی ہے تو وہ گھر کے معاملات دیکھتی ہے، ماں ہوتی ہے تو اولاد کے مسائل میں لگی رہتی ہے، اور اگر بے شوہر کے ہوتی ہے تو شادی کی فکر میں رہتی ہے، اس لئے اس کا حافظہ معاملات کی بابت کمزور ہوتا ہے، اسی لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرض لینے اور دینے والوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ جب اپنے قرضوں کی دستاویز لکھیں تو اس پر دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنائیں، قرآن نے اس کی علت بیان کرتے ہوئے کہا ہے { :أَن تَضِلَّ إْحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الأُخْرَى} (کہ اگر کوئی ایک بھولے تو دوسری اسے یاد دلا دے)۔

ایسا ہی یہ مسئلہ ہے کہ فقہاء کی ایک بڑی جماعت کے نزدیک حدود وقصاص میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں ہے۔۔۔۔۔۔۔۔اس لئے کہ عورت لڑائی جھگڑے، نیز جانوں، آبروؤں اور اموال پر زیادتی کے مواقع سے دور رہتی ہے، ان جرائم کا مشاہدہ کرتے وقت وہ اکثر اپنی آنکھوں کو بند کرلیتی ہے، اور چیختی چلاتی بھاگتی ہے، اس کے لئے یہ نہایت مشکل ہے کہ وہ ان جرائم کی تفصیلات بیان کر سکے کہ ایسے حالات میں اس کے اعصاب تفصیلات کو یاد رکھنے کے متحمل نہیں ہوتے ہیں۔

اسی لئے فقہاء عورتوں کے مخصوص معاملات ومسائل میں عورت کی گواہی کو معتبر مانتے ہیں، یہاں تک کہ ان مسائل میں تنہا ایک عورت کی بھی گواہی معتبر مان لی جاتی ہے۔ اس صنف میں رضاعت، بکارت، ثیبہ ہونا، حیض اور ولادت جیسے وہ مسائل آتے ہیں جن کا علم پچھلے زمانوں میں صرف عورتوں کو ہی ہوتا تھا۔

پھر اس حکم پر اجماع بھی نہیں ہے، ائمۂ تابعین میں سے عطاء کا مسلک عورتوں کی شہادت کو معتبر ماننے کا ہے۔

جن مقامات میں عام طور پر مرد نہ ہوتے ہوں صرف عورتیں ہی ہوتی ہوں جیسے عورتوں کے غسل خانے اور شادیوں جیسے وہ مقامات ومواقع جن میں عورتوں کے لئے عام طور پر الگ مخصوص مقامات تیار کئے جاتے ہیں تو ایسے مقامات پر ہونے والے جرائم میں بعض فقہاء عورتوں کی گواہی کو معتبر مانتے ہیں، ایسے مقامات پر اگر ایک عورت دوسرے کو قتل کردے، زخمی کردے یا اس کی ہڈی وغیرہ توڑ دے اور عورتیں شہادت دیں تو کیا ان کی گواہیاں صرف اس لئے رد کردی جائیں کہ وہ عورتیں ہیں؟ یا ایسے مقامات پر مردوں کی گواہی طلب کی جائے گی جن میں وہ بالعموم موجود نہیں ہوتے ہیں؟

صحیح بات یہ ہے کہ عورتوں کی گواہی تب تک معتبر ہے جب تک کہ وہ عادل ہوں اور

معاملہ کی تفصیلات کا انہیں مکمل علم ہو۔

سابق شیخ الازہر شیخ محمود شلتوت نے آیت ربانی }فَإن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَان}[بقرہ: ۲۸۲] (اگر دو مرد [گواہ] نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں) پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے: ''اس کا تعلق اس گواہی سے نہیں ہے جس کی بنیاد پر قاضی فیصلہ کرتا ہے، بلکہ یہ دستاویز پر عمل کئے جانے کے وقت دونوں متعلقہ افراد کے درمیان حقوق کی بابت اطمینان حاصل کرنے کے طریقہ کی راہ نمائی ہے: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلاَ يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّهَ رَبَّهُ وَلاَ يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئاً فَإن كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهاً أَوْ ضَعِيفاً أَوْ لاَ يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُواْ شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الأُخْرَى} [بقرہ: ۲۸۲] (اے ایمان والو جب تم آپس میں ایک دوسرے سے میعاد مقرر پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو، اور لکھنے والے کو چاہئے کہ تمہارا آپس کا معاملہ انصاف سے لکھے، کاتب کو چاہئے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے جیسے اللہ تعالیٰ نے اسے سکھایا ہے، پس اسے بھی لکھ دینا چاہئے، اور جس کے ذمہ حق ہو وہ لکھوائے اور اپنے رب اللہ سے ڈرے، اور حق سے کچھ گھٹائے نہیں، ہاں جس شخص کے ذمہ حق ہے وہ اگر نادان ہو یا کمزور ہو یا لکھوانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی عدل کے ساتھ لکھوا دے اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو، اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کر لو تا کہ ایک کی بھول چوک دوسری یاد دلا دے) یعنی مقام حقوق کی بابت اطمینان حاصل کرنے کا ہے قضاء کا نہیں۔

یہ آیت اطمینان حاصل کرنے کے ایسے بہترین طریقہ کی راہ نمائی کرتی ہے جس سے

دونوں فریقوں کے دل اپنے حقوق پر مطمئن ہوں گے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اکیلی ایک عورت کی گواہی سے یا ان عورتوں کی گواہی سے جن کے ساتھ کوئی مرد گواہ نہ ہو حق ثابت ہی نہیں ہوگا، اور قاضی ایسی گواہیوں کی بنیاد پر کوئی فیصلہ نہیں کرے گا، اس لئے کہ قضاء میں اصل مطلوب ''بینہ'' ہے۔ اور علامہ ابن قیم نے یہ بات بوضاحت لکھی ہے کہ شریعت میں بینہ گواہی سے زیادہ وسیع ہے، ہر وہ چیز جس سے حق سامنے آئے بینہ ہے اور قاضی اس کی بنیاد پر فیصلہ کرسکتا ہے، مثلاً قاضی قطعی قرائن کی بنیاد پر فیصلہ کرسکتا ہے، اور یقین اور اطمینان ہونے کی صورت میں غیر مسلم کی گواہی بھی معتبر مان سکتا ہے۔ دستاویز پر اعتماد کرنے کے سلسلہ میں دو عورتوں کو ایک مرد کے قائم مقام بنانے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اسلام کی نگاہ میں عورت میں بطور انسان کچھ کمی ہے، بلکہ اس کی وجہ شیخ محمد عبدہ کے الفاظ میں یہ ہے کہ: ''عام طور پر عورت کا سابقہ مالی معاملات اور ان جیسے دیگر مسائل سے نہیں رہتا ہے۔ اس لئے ان مسائل میں اس کا حافظہ کمزور ہوتا ہے، لیکن ایسی بات گھریلو امور میں نہیں ہوتی ہے کہ اس کی مشغولیت کا دائرہ ان ہی امور میں رہتا ہے۔ ان کے سلسلے میں اس کا حافظہ مرد کے مقابلہ میں زیادہ اچھا ہوتا ہے، عام طور پر انسانوں کا حافظہ ان چیزوں کے بارے میں زیادہ اچھا رہتا ہے جن سے انہیں مستقل واسطہ رہتا ہے اور جن میں وہ مشغول رہتے ہیں''۔

اس آیت میں عورتوں کی عام صورت حال کا خیال رکھا گیا ہے، عام طور پر عورتیں ایسی ہی ہوتی ہیں، وہ قرض لینے دینے کی مجلسوں میں موجود نہیں ہوتی ہیں، خرید و فروخت کے بازاروں میں ان کا زیادہ وقت نہیں گزرتا ہے، ان میں سے چند کے اس صورت حال سے مستثنٰی ہونا عورت کی فطرت سے ہم آہنگ اس اصل پر اثر انداز نہیں ہوتا، یہ آیت چونکہ اطمینان حاصل کرنے کی اعلیٰ ترین صورت کی راہ نمائی کرتی ہے، اس لئے اگر مسئلہ کا تعلق کسی ایسے معاشرہ سے ہو جس میں عورتوں کا سابقہ خرید و فروخت اور قرض کی مجلسوں سے رہتا ہو اور ان جیسے مسائل

کی بابت وہاں کی عورتوں کے حافظہ پر لوگوں کو اعتماد ہوتو ایسے معاشرہ کی عورتوں پر اس سلسلے میں مرد کی ہی طرح اطمینان کیا جائے گا''[۳]۔

اور کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں ہے، خود قرآن مجید نے صراحت کی ہے کہ عورت اور مرد لعان کی ''شہادتوں'' کے سلسلہ میں ہم پلہ ہیں، شوہر اگر اپنی بیوی پر تہمت لگائے اور اس کے دعوے پر گواہ اس کے پاس موجود نہ ہوں تو قرآن کہتا ہے کہ { :وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ٥ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ٥ وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ٥ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِن كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ} [نور :۶–۹] (جو لوگ اپنی بیویوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں، اور ان کا کوئی گواہ بجز خود ان کی ذات کے نہ ہو تو ایسے لوگوں میں سے ہر ایک کی ''شہادت'' [ہر ایک کا ثبوت] یہ ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ وہ سچوں میں سے ہیں، اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو، اور اس عورت سے سزا اس طرح دور ہوسکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ یقیناً اس کا مرد جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے، اور پانچویں دفعہ کہے کہ اس پر اللہ کا غضب ہو اگر اس کا خاوند سچوں میں سے ہو)۔

یعنی مرد چار ''شہادتیں'' دے گا اور پھر یہ بھی کہے گا کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس کے اوپر اللہ کی لعنت ہو، اور ان ''شہادتوں'' کے مقابلہ میں نیز اس کو باطل کرنے کے لئے عورت بھی چار ''شہادتیں'' دے گی اور یہ کہے گی کہ اگر وہ سچی نہ ہو تو اس پر اللہ کا غضب نازل ہو''[۴]۔

۳۔ ملاحظہ ہو: الإسلام عقیدة و شریعة، ص: ۱۱۱–۱۱۲، مطبوعہ مطبعة الأزہر۔

۴۔ الإسلام عقیدة و شریعة: ۲۱۳۔

مردوعورت کی میراث :

جہاں تک مرد اور عورت کے درمیان میراث میں تفاوت کا سوال ہے، جس کا تذکرہ قرآن مجید کی اس آیت میں کیا گیا ہے {يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيۤ أَوۡلاَدِكُمۡ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الأُنثَيَيۡن}[نساء:١١] (اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کی بابت حکم دیتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ لڑکیوں کے برابر ہے) تو اس سلسلہ میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ ان دونوں کے اوپر شرعی مالی واجبات کے تفاوت کا نتیجہ ہے۔

اگر بالفرض والد کا انتقال ہوجائے، اور ایک بیٹا اور ایک بیٹی اس کے وارث ہوں اب اگر بیٹا شادی کرے گا تو مہر دے گا، اور پھر بیوی کا خرچ اٹھائے گا، اس کے برخلاف بیٹی کو شادی کے وقت مہر ملے گا پھر اس کا خرچ شوہر اٹھائے گا، بیوی خواہ کتنی ہی مالدار کیوں نہ ہو شوہر اس کے اوپر ایک پیسہ کی بھی ذمہ داری نہیں ڈال سکتا، اور بیوی کا خرچ شوہر کی مالی وسعت کے اعتبار سے معتبر ہوگا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : {لِيُنفِقۡ ذُو سَعَةٍ مِّنۡ سَعَتِه}[طلاق:٧] (کشادگی والے کو اپنی کشادگی سے خرچ کرنا چاہیئے)۔

اب اگر مثال کے طور پر ان دونوں کے والد کا ترکہ ڈیڑھ لاکھ روپئے ہے، تو بیٹے کو ایک لاکھ روپئے ملیں گے اور بیٹی کو پچاس ہزار، پھر بیٹا اپنی شادی کے وقت بیوی کو مہر اور دیگر ہدایا دے گا جن کی قیمت ہم پچیس ہزار مان لیتے ہیں، اب اس کے مال میں سے کمی ہوجائے گی اور اس کے پاس پچھتر ہزار روپئے بچیں گے، جب کہ بہن کی شادی ہوگی تو اس کا شوہر اسے مہر اور دیگر ہدایا دے گا، ان کی قیمت بھی ہم پچیس ہزار روپئے مان لیتے ہیں، اب اس کے مال میں اضافہ ہوجائے گا اور اس کے پاس بھی پچھتر ہزار روپئے ہوجائیں گے، یعنی دونوں کے پاس برابر مال ہوجائے گا۔

پھر مرد کے اوپر گونا گوں قسم کی مالی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ وہ اپنے چھوٹے بچوں پر خرچ کرتا ہے، والدین ضرورت مند ہوں تو ان پر خرچ کرتا ہے، اگر بھائی بہن چھوٹے ہوں اور

ان کا کوئی اور ذمہ دارانہ ہوتو ان کی مالی ذمہ داریاں بھی اسی پر ہوتی ہیں، بعض معلوم صورتوں میں اپنے رشتہ داروں پر بھی خرچ کرتا ہے، جب کہ عورت پر ایسی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، ہاں اگر وہ چاہے تو اخلاقی طور پر خرچ کرسکتی ہے۔

پھر میراث کے سلسلہ میں عورت پر مرد کی فضیلت کوئی عام قاعدہ نہیں ہے، بسا اوقات عورت کا حصہ مرد کے حصہ کے برابر ہوتا ہے، مثلاً اگر میت کی اولاد ہوتو پھر اس کے والدین کا حصہ برابر ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے{ :وَلأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ}[نساء:۱۱] (اگر میت کی اولاد ہوتو اس کے ترکہ میں سے اس کے والدین میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے)

اسی طرح اگر میت کے والدین اور اولاد نہ ہوں تو اس کے اخیافی (ماں شریک) بہن بھائیوں کا حصہ یکساں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے }وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلاَلَةً أَو امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَإِن كَانُوَاْ أَكْثَرَ مِن ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاء فِي الثُّلُث}[نساء:۱۲] (اور جن کی میراث لی جاتی ہے وہ مرد یا عورت کلالہ ہو یعنی اس کا باپ بیٹا نہ ہو اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر اس سے زیادہ ہو تو ایک تہائی میں سب شریک ہیں) اس صورت میں اگر اخیافی بہن اور بھائی ایک ایک ہیں تو دونوں کو ترکہ کا چھٹا حصہ ملے گا، اور اگر ان کی تعداد اس سے زیادہ ہے تو ترکہ کا ایک تہائی ایسے بھائی بہنوں کے درمیان برابر برابر تقسیم کردیا جائے گا۔

ماہرین میراث جانتے ہیں کہ مرد وزن کے درمیان میراث کے حصہ میں ایسی برابری متعدد صورتوں میں پائی جاتے ہیں۔

بلکہ بعض حالات میں عورت کا حصہ مرد کے حصہ سے زیادہ ہوتا ہے، مثلاً اگر ایک عورت کا انتقال ہو جائے اور اس کے ورثہ یہ ہوں : شوہر، ماں، دو سگے بھائی اور ایک اخیافی بہن، تو اخیافی بہن کو مکمل چھٹا حصہ ملے گا، جب کہ اس کے دونوں بھائیوں کو (جو کہ مرد ہیں) مل کر

ایک چھٹا حصہ ملے گا یعنی ایک بھائی کے حصہ میں ایک چھٹے حصہ کا آدھا آئے گا۔

اسی طرح اگر عورت مر جائے، اور اس کے ورثہ میں شوہر، سگی بہن اور علاتی (باپ شریک) بھائی ہوں، تو شوہر کو ایک نصف حصہ ملے گا، سگی بہن کو دوسرا نصف حصہ ملے گا ور باپ شریک بھائی کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ اس لئے کہ وہ عصبہ ہے اور اس کے لئے کچھ نہیں بچا ہے، لیکن اگر اس کی جگہ پر کوئی بہن ہوتی تو اسے عول کر کے چھٹا حصہ ملتا۔

حضرت عبداللہ بن عباس اور بعض دیگر حضرات کی رائے یہ ہے کہ اگر عورت کا انتقال ہو جائے، اور اس کے ورثہ میں شوہر اور والدین ہوں تو شوہر کو نصف، ماں کو ایک تہائی اور باپ کو چھٹا حصہ ملے گا، حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ رائے آیت قرآنی {**فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلأُمِّهِ الثُّلُثُ**}[نساء :۱۱] (اگر میت کے اولاد نہ ہو، اور والدین اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کو ایک تہائی ملے گا) کے ظاہر پر عمل ہے۔

ابن حزم نے عبدالرزاق کے حوالہ سے حضرت ابن عباس کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ :اگر ورثہ شوہر اور والدین ہوں تو شوہر کو نصف ملے گا اور ماں کو کل مال کا ایک تہائی۔

ابوعوانہ کے حوالہ سے ابن حزم نے حضرت علی کا بھی ایسا ہی ایک قول نقل کیا ہے۔ اور تحریر کیا ہے کہ حضرت معاذ سے بھی یہی رائے مروی ہے اور یہی شریح اور ابوسلیمان (داؤ د ظاہری) کی بھی رائے تھی۔

حضرت ابن مسعود کا ارشاد ہے: یہ بات مقصود شارع کے خلاف ہے کہ میں (اس مسئلہ میں) ماں کو باپ پر ترجیح دوں، یہی رائے صحابہ میں سے حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت زید بن ثابت کی، تابعین میں سے حسن بصری، ابن سیرین اور نخعی کی نیز امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور ان کے ہم مسلک حضرات کی ہے۔ [۵]

۵۔ ملاحظہ ہو: المحلی: ۹/ ۳۱۷-۳۱۹ مسالہ ۱۷۱۵۔

دیت :

عورت کی دیت کے مرد سے آدھے ہونے کے سلسلہ میں کوئی حدیث ایسی نہیں ہے جس کی صحت پر اتفاق ہو اور نہ یقینی اجماع ہے، اس بابت دو احادیث مروی ہیں، جن میں زیادہ بہتر وہ حدیث ہے جسے نسائی اور دارقطنی[٦] نے **اسماعیل بن عیاش عن ابن جریج عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ** کی سند سے نقل کیا ہے، اس سند پر کلام کیا گیا ہے، اور ایسی سند سے ایسے اہم معاملہ میں حجت قائم نہیں ہوتی ہے، امام بخاری کا کہنا ہے : ابن جریج کا عمرو بن شعیب سے سماع نہیں ہے۔

دوسری حدیث حضرت معاذ کی یہ مرفوع روایت ہے : "**دية المرأة نصف دية الرجل**" (عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے) بیہقی نے اس کی سند کو غیر ثابت کہا ہے۔ بعض صحابہ کے آثار میں بھی یہی رائے ملتی ہے، لیکن ان آثار کی کوئی سند صحیح و متصل نہیں ہے، اگر صحیح ہوتی بھی تو ان آراء کو صحابہ کے اجتہادات مانا جاتا، جن کو قبول اور رد کیا جا سکتا ہے، اب اس مسئلہ کہ سلسلہ میں یہی صحیح حدیث بچتی ہے : "**في النفس مائة من الإبل**"[٧] (جان کے بدلہ میں سو اونٹ لئے جائیں گے)۔

جس طرح اس سلسلہ میں کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے، اسی طرح اجماع بھی ثابت نہیں ہے، اس لئے کہ اس مسئلہ کی بابت اجماع پر کلام ہے۔

بلکہ فقہاء سلف میں سے ابن علیہ اور اصم کی رائے یہ ہے کہ مرد اور عورت کی دیت یکساں ہے، یہی رائے قرآنی و حدیثی نصوص کے عموم اور اطلاق سے ہم آہنگ ہے۔ آج اگر کوئی یہ رائے اختیار کرتا ہے تو کوئی حرج در پیش نہیں آئے گا، کہ فتوی زمان و مکان کے

٦۔ نسائی: کتاب القسامة: ٨/ ٢٤، دارقطنی ٣: /٩١

٧۔ ملاحظہ ہو: نیل الاوطار، باب : دیة المرأة: ٧/ ٢٢٤ — ٢٢٧ مطبوعہ دار الجیل بیروت۔

بدلنے سے بدلتا ہے، اور پھر یہ فتوی تو جزوی نصوص وکلی شرعی مقاصد سے ہم آہنگ ہے۔

یہی رائے شیخ محمود شلتوت نے اپنی کتاب ''**الإسلام عقيدة و شريعة**'' میں اختیار کی ہے۔

شیخ رحمہ اللہ نے ''**دية الرجل و المرأة سواء**'' (مرد اور عورت کی دیت برابر ہے) کے زیر عنوان تحریر کیا ہے : جب عورت مرد جیسی انسان ہے، اس کے اندر مرد جیسا ہی خون دوڑتا ہے، دونوں کے قتل عمد کی صورت میں قصاص مشروع ہے، مرد کے قتل کی صورت میں جو اخروی سزا جہنم، اس میں دائمی قیام اور خداوندی غضب ولعنت کی ہے وہی عورت کے قتل عمد میں بھی ہے تو پھر عورت کے قتل خطأ کا حکم بھی وہی ہونا چاہئے جو مرد کے قتل خطأ کا ہے۔

اگر ہمارا اصول یہ ہے (اور یقینا ہے) کہ ہم احکام سب سے پہلے قرآن سے اخذ کرتے ہیں تو دیت کے سلسلہ میں قرآن کے الفاظ عام اور مطلق ہیں، اور مرد کے ساتھ حکم کو مخصوص نہیں بتاتے ہیں، آیت کے الفاظ ہیں : {وَمَن قَتَلَ مُؤْمِناً خَطَئاً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِه}[نساء : ۹۲] (جو شخص کسی مسلمان کو بلا قصد مار ڈالے اس پر ایک مسلمان غلام کی آزادی اور اس کے عزیزوں کو خون بہا پہنچانا ہے) اور یہ بات واضح ہے کہ قتل خطا کے ذریعہ دیت کے وجوب کے سلسلہ میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

ہاں۔۔۔۔۔علماء کا دیت کی مقدار کے سلسلہ میں اختلاف ہے، کہ کیا وہ مرد و زن کے قتل میں یکساں ہے، یا عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے؟

امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں دو آراء ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے : اکثر فقہاء کے نزدیک عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے، اور اصم و ابن علیہ کا کہنا ہے کہ عورت کی دیت مرد جیسی ہے۔

اکثر فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی، اور حضرت عمر نے یہی فیصلہ دیا تھا، اور

میراث و گواہی میں عورت مرد سے نصف کی حق دار ہے، تو پھر وہ دیت میں بھی نصف کی حق دار ہوگی۔

جب کہ اصم کی دلیل یہ آیت قرآنی ہے :{وَمَن قَتَلَ مُؤْمِناً خَطَئاً فَتَحْرِيُرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَ دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِه}[نساء :۹۲] (اور جو شخص کسی مسلمان کو بلا قصد قتل کرڈالے تو اس پر ایک مسلمان غلام کی آزادی اور اس کے عزیز کو دیت پہنچانا ہے) اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت مرد اور عورت دونوں کا حکم بیان کرتی ہے، تو پھر ان دونوں کا حکم بھی یکساں ہی ہونا چاہیے۔[۸]

قوامیت :

قوامیت کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :{اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ}[نساء: ۳۴] (مرد عورتوں پر نگہبان ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں)۔

قرآن کریم کی اس آیت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے مرد کو یہ قوامیت (نگہبانی) دو وجہوں سے دی ہے، جن میں سے ایک وہبی ہے اور دوسری کسبی۔

پہلی وجہ :اللہ تعالیٰ نے اسے دور اندیشی نیز معاملات پر عقل کی روشنی میں غور وفکر کرنے کی صلاحیت سے عورت کے مقابلہ میں زیادہ نوازا ہے، جب کہ عورت کو مامتا کے پیش نظر جذباتی فطرت عطا کی ہے۔

۸۔ الإسلام عیقدة و شریعة ۲۰۸ :۲۰۹۔

دوسری وجہ : مرد ہی خاندان کو وجود میں لانے کیلئے زبردست خرچ اٹھاتا ہے، اگر خانان بکھرے گا تو سب سے زیادہ نقصان اسی کا ہوگا اس لئے وہ خاندان کو بکھیرنے کے فیصلہ سے پہلے سو مرتبہ سوچے گا۔

عدالتی وسیاسی منصب :

جہاں تک عدالتی وسیاسی مناصب کی بات ہے تو امام ابوحنیفہؒ نے عورت کے لئے ان امور میں قاضی ہونے کو جائز قرار دیا ہے جن میں اس کی شہادت جائز ہے، یعنی غیر جنائی مسائل میں۔ جب کہ امام طبری اور ابن حزم نے مالی مسائل اور جنایات میں بھی عورت کے قاضی ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔

اس کے جواز کا مطلب وجوب یا فرضیت نہیں ہے، بلکہ اس سلسلے میں فیصلہ عورت، خاندان، معاشرہ اور اسلام کے مصالح کی روشنی میں کیا جائے گا، اور پھر بعض ممتاز خواتین کو متعینہ عمر، متعینہ مسائل اور متعینہ حالات میں قاضی بنایا جائے گا۔

جہاں تک خلافت یا سربراہئ مملکت اور اس کے جیسے دیگر مناصب کے عورتوں کے لئے ممنوع ہونے کی بات ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس عظیم ذمہ داری کے نتیجہ میں جو ذہنی کشمکش وجود میں آتی ہے اس کا تحمل عام طور پر عورت کی استعداد میں نہیں ہوتا ہے۔ ہم نے ''عام طور پر'' کہا ہے، اس لئے کہ بعض عورتیں بعض مردوں سے زیادہ صلاحیتوں کی ہوتی ہیں، جیسے ملکۂ سبا، جن کا قصہ قرآن مجید نے سورۂ نحل میں بیان کیا ہے، انہوں نے اپنی قوم کی قیادت کرتے ہوئے اسے دنیا وآخرت کے خیر سے ہم کنار کیا۔ یہاں تک کہ وہ حضرت سلیمانؑ کے ساتھ اللہ رب العالمین کی مطیع وفرماں بردار ہوگئیں۔ لیکن احکام شاذ ونادر کی بنیاد پر نہیں بنتے ہیں، بلکہ ان میں غالب اکثریت کا خیال کیا جاتا ہے، اسی لئے ہمارے علماء کا کہنا ہے : شاذ و

نادر پر حکم کی بنیاد نہیں ہوتی ہے۔

جہاں تک اس کے منیجر، مہتمم، ادارہ کی سربراہ، پارلیمنٹ کی ممبر اور وزیر وغیرہ ہونے کی بات ہے تو اگر مصلحت کا تقاضا ایسا ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے، ہم نے اپنی کتاب فتاویٰ معاصرۃ کی دوسری جلد میں اس پر دلائل کی روشنی میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔ [۹]

۹۔ ملاحظہ ہو: فتاوی معاصرۃ (۲ / ۳۷۲–۳۸۹) میں ہمارا فتوی ترشیح المرأۃ للمجالس النیابیۃ۔

عورت اپنی نسوانیت کے پس منظر میں

اسلام نے عورت کی نسوانیت کو اہم مانا ہے، اسی وصف کی بنیاد پر وہ عورت کو اسی طرح مرد کی تکمیل کرنے والا عنصر مانتا ہے جس طرح مرد عورت کی تکمیل کرتا ہے، ان میں سے کوئی کسی کا مقابل یا فریق مخالف نہیں ہے، بلکہ یہ دونوں ایک دوسرے کی شخصیت کی تکمیل میں معاون ہوتے ہیں۔

مخلوقات کی بابت سنت خداوندی یہ ہے کہ وہ جوڑوں کی صورت میں وجود میں آئیں، انسان، حیوانات اور نباتات میں ہمیں نر اور مادہ نظر آتے ہیں، اسی طرح بجلی اور مقناطیس جیسے جمادات میں مثبت ومنفی پائے جاتے ہیں، یہاں تک کہ ایٹم میں مثبت ومنفی Electric Cahrge (الیکٹرون اور پروٹون) پائے جاتے ہیں۔

آج سے چودہ سال پہلے قرآن نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا}وَمِن كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ}[ذاریات:۴۹] (اور ہر چیز کو ہم نے جوڑے بنا کر پیدا کیا تاکہ تم نصیحت حاصل کرو)۔

یعنی مذکر ومؤنث ایسے لازم وملزوم ہیں کہ ان میں سے ایک کو دوسرے سے مفر نہیں ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جب پہلے انسان (حضرت آدم) کو پیدا کیا تو اس سے اس کا جوڑا (حضرت حواء) بھی پیدا کیا، تاکہ وہ اس سے اُنس حاصل کرے، اور جنت کے زمانۂ قیام میں بھی اسے تنہا نہ رکھا، اور اوامر ونواہی میں ان کو ایک ساتھ مخاطب کیا : {اسْكُنْ أَنتَ

وَزَوْجُکَ الْجَنَّةَ وَكُلاَ مِنْهَا رَغَداً حَيْثُ شِئْتُمَا وَلاَ تَقْرَبَا هَـذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الْظَّالِمِيْن }[بقرہ :۳۵] (اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو، اور جہاں کہیں سے چاہو وسعت کے ساتھ کھاؤ پیو، لیکن اس درخت کے قریب بھی نہ جانا ورنہ تمہارا شمار ظالموں میں ہوگا)

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت مرد نہیں ہے، اس لئے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے مکمل ہیں، اور کوئی بھی چیز اپنی تکمیل نہیں کرتی ہے، قرآن مجید کہتا ہے { :وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالأُنثَى}[آل عمران :۳٦] (مرد عورت جیسا نہیں ہے)۔

اسی طرح مثبت اور منفی ایک طرح کے نہیں ہوتے ہیں۔

لیکن اسے اس لئے پیدا نہیں کیا گیا ہے کہ وہ مرد کی حریف اور اس کی مقابل ہو، بلکہ وہ اسی کی ہے اور اسی کے لئے پیدا کی گئی ہے، {بَعْضُكُم مِّن بَعْض}[نساء :۲۵] (تم سب آپس میں ایک ہی ہو)، {وَاللّهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجا}[نحل: ۷۲] (اور اللہ نے تمہارے لئے تم میں سے ہی جوڑے بنائے)۔

پھر حکمت خداوندی نے عورت کی جسمانی ونفسیاتی ساخت میں مرد کے لئے جاذبیت کے عناصر رکھے ہیں اور اس کے اندر مرد کی جانب میلان رکھا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالی نے مرد اور عورت ہر ایک کی فطرت میں زبردست شہوت رکھی ہے جو ان دونوں کو ایک دوسرے کی طرف مائل کرتی ہے، تاکہ کاروان حیات جاری رہے اور نوع انسانی باقی رہے۔

اس لئے اسلام رہبانیت جیسے ہر اس نظام کو مسترد کرتا ہے جو اس فطرت کے منافی ہو اور اسے معطل کرے۔

لیکن اسلام نے انسان کی اس صلاحیت کو کسی بھی غیر مشروع طریقہ سے بروئے کار

لانے پر پابندی لگائی ہے، اوراس کے استعمال کے لئے صرف شادی کے طریقہ کو پسندیدہ قرار دیا ہے جو کہ خاندان کی اساس ہے، اسی لئے اس نے زنا کو دیگر آسمانی مذاہب کی طرح حرام قرار دیا ہے، ظاہری ومخفی فواحش سے منع کیا ہے اوران فواحش کے تمام اسباب کو بھی ممنوع قرار دیا ہے تا کہ مرد اور عورت کو جنسی فتنہ سے بچایا جائے۔

عورت کی بابت اسلام نے جو احکام مشروع کئے ہیں اور جو راہ نمائیاں پیش کی ہیں ان میں عورت کی اسی فطرت نیز مرد کے ساتھ اس کے تعلق کے مناسب طریقہ کا ہی خیال رکھا ہے۔

اسلام اس کی فطری نسوانیت کا لحاظ رکھتا ہے، اس کے تقاضوں کا خیال رکھتا ہے، ان تقاضوں کو نہ زبردستی دباتا ہے اور نہ ہی ان کو بھڑکاتا ہے۔ بلکہ وہ عورت کو ہر اس عمل سے روکتا ہے جو اس کو بے حیثیت کرے اور اس کی نسوانیت کی عظمت پر حرف لگائے، اسلام اسے ان انسانی درندوں سے محفوظ رکھتا ہے جو صنف نازک سے نہایت بے دردی کے ساتھ لطف اندوزی کرتے ہیں اور پھر اسے بے یارومددگار و بے حیثیت چھوڑ دیتے ہیں۔

ہم عورت کی نسوانیت کی بابت اسلام کے موقف کو مندرجہ ذیل نکات میں پیش کر سکتے ہیں:

ا۔ اسلام عورت کی نسوانیت کی حفاظت کرتا ہے تا کہ وہ شفقت، نرمی اور خوبصورتی کا سرچشمہ رہے، اسی لئے اسلام نے اس کی فطرت وذمہ داریوں سے ہم آہنگ کچھ ایسی چیزیں اس کے لئے جائز قرار دی ہیں جو مردوں کے لئے حرام ہیں، مثلاً سونے کے زیور اور خالص ریشم پہننا، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "إن هٰذين حرام علىٰ ذكور أمتي وحل لإناثهم" [۱۰ا] (یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں کے لئے حرام اور عورتوں کے لئے حلال ہیں)۔

اسی طرح اسلام نے اس نسوانیت کو نقصان پہنچانے والی ہر چیز عورت کے لئے حرام کی ہے، جیسے کپڑوں، چال اور عادات میں مردوں کی مشابہت، اس نے عورت کو مرد کے

۱۰ا ابن ماجہ، جلد دوم، حدیث: ۳۵۹۵، یہ حدیث حضرت علی سے مروی ہے، اور متعدد طرق کی بنا پر صحیح ہے۔

کپڑے اور مرد کو عورت کے کپڑے پہننے سے منع کیا ہے، حدیث نبوی ہے : "لعن اللّٰہ الرجل یلبس لبسة المرأة والمرأة تلبس لبسة الرجل"[11] (اللہ کی لعنت ہو اس مرد پر جو عورتوں جیسے کپڑے پہنے اور اس عورت پر جو مردوں جیسے کپڑے پہنے)۔ آپ ﷺ نے ان عورتوں پر لعنت کی ہے جو مردوں جیسی بنتی ہیں اور ان مردوں پر لعنت کی ہے جو عورتوں جیسی بنتی ہیں[12]۔

ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں : "ثلاثة لا یدخلون الجنه۔ ولا ینظر اللّٰہ إلیهم یوم القیامة : العاق لوالدیه، والمرأة المترجلة- المتشبهة بالرجال- والدیوث"[13] (تین لوگ جنت میں داخل نہیں ہوں گے، اور نہ ہی اللہ قیامت کے روز ان کی جانب نظر کریگا : والدین کے ساتھ بدسلوکی کرنے والا، مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورت اور وہ جسے بیوی کی جنسی بے راہ روی پر بھی غیرت نہ آئے)۔

ایک اور حدیث میں ہے : "لعن اللّٰہ الرجلة من النساء"[14] (اللہ کی لعنت ہو ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت کریں)۔

۲ – اسلام عورت کی شخصیت کے اس پہلو (نسوانیت) اور کمزوری کا خیال رکھتا ہے۔ اس لئے وہ اسے ہمیشہ کسی مرد کے زیر سایہ رکھتا ہے، اس کے خرچوں اور اس کی ضروریات کی

---

۱۱ حضرت ابوہریرہ کے حوالہ سے یہ حدیث ابوداؤد (۴۰۹۸) نے روایت کی ہے، منذری نے نسائی کا بھی حوالہ دیا ہے، جب کہ امام احمد نے اپنی مسند (۲/ ۳۲۵) میں، ابن حبان نے اپنی صحیح (الاحسان ۱۹۰۴:) میں اور حاکم نے مستدرک (۴/ ۱۹۴) میں نقل کی ہے، حاکم نے اسے صحیح کہا ہے، اور ذہبی نے بھی ان کی اس رائے سے اتفاق کیا ہے۔

۱۲ ابن عباس کی روایت سے یہ حدیث امام بخاری نے کتاب اللباس میں نقل کی ہے، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث منقول ہے، ملاحظہ ہو: صحیح الجامع الصغیر ۵۱۰۰:۔

۱۳ یہ حدیث حضرت ابن عمر کی روایت سے امام احمد نے نقل کی ہے، شیخ احمد محمد شاکر نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے (۱۶۸۰)، اس کے علاوہ نسائی (۵/ ۸۰) اور حاکم (۱/ ۷۲) نے اسے نقل کیا ہے، مؤخر الذکر کے یہاں "رجلة النساء" کے الفاظ ہیں، اور انہوں نے اسے صحیح کہا ہے، ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ ہیثمی نے لکھا ہے: بزار نے اسے دو ایسی سندوں سے نقل کیا ہے جن کے رجال ثقہ ہیں، ۸/ ۱۴۷۔

۱۴ حضرت عائشہ کی یہ روایت ابوداؤد نے روایت کی ہے، صحیح الجامع الصغیر (۵۰۹۶)۔

ذمہ داری دوسروں پر ہوتی ہے، وہ باپ، شوہر، اولاد یا بھائیوں کی ذمہ داری میں ہی رہتی ہے، شریعت اسلامی کی روشنی میں ان میں سے کسی نہ کسی کے اوپر اس کی مالی ذمہ داریاں ہوتی ہیں، اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے اسلام عورت کو زندگی کی پر پیچ وادیوں میں نان شبینہ کے لئے مردوں کے بیچ بھٹکنے پر مجبور نہیں کرتا ہے، جب کہ یہ کام مغربی خاتون کو مجبوری کی وجہ سے کرنا پڑا ہے، اسلئے کہ کوئی بھی شخص اس کا خیال نہیں رکھتا ہے، باپ، بیٹا، بھائی نہ چچا، کوئی بھی اس کی مدد نہیں کرتا، نتیجۃً وہ اپنی زندگی کو بچانے کے لئے اس بات پر مجبور ہوتی ہے کہ کسی بھی اجرت پر کوئی بھی کام قبول کرے۔

۳—اسلام عورت کے اخلاق اور اس کی حیاء کی حفاظت کرتا ہے، اس کو نیک نام اور باعزت دیکھنا چاہتا ہے، برے جذبات کے ساتھ اٹھنے والے ہاتھوں کا تو ذکر کیا برے خیالات اور برے تذکروں سے بھی اس کو محفوظ رکھتا ہے۔

اسی لئے اسلام نے اس کے لئے مندرجہ ذیل امور کو واجب قرار دیا ہے :

(الف) نگاہیں نیچی رکھنا اور اپنی پاکدامنی کی حفاظت کرنا : {وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ} [نور:۳۱] (مومن عورتوں سے کہئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں)۔

(ب) لباس اور زینت میں وقار اور پردہ کا خیال، {وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ} [نور:۳۱] (عورتیں اپنی زینتیں ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہو، اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں) الا ماظھر منھا (سوائے اس کے جو ظاہر ہو) کی تفسیر میں سرمہ، انگوٹھی، چہرہ اور ہتھیلیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، بعض لوگوں نے پانوں کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

(ج) اپنی پوشیدہ زینت (جیسے بال، گردن، حلق، بانہیں اور پنڈلیاں) صرف شوہر اور

ان محرم رشتہ داروں کے سامنے ہی ظاہر کریں جن سے ان کو اجانب کی طرح چھپانا مشکل ہو۔ {وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِيْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِيْ أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِيْنَ غَيْرِ أُوْلِيْ الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ} [نور:٣١] (اور عورتیں کسی کے سامنے اپنی آرائش ظاہر نہ کریں سوائے اپنے شوہروں، والدوں، خسروں، اولاد، شوہر کی اولاد، بھائیوں، بھتیجیوں، بھانجوں اپنی میل جول کی عورتوں، غلاموں، جنسی شہوت نہ رکھنے والے نوکروں اور ان بچوں کے سامنے جنھیں عورتوں کی پردہ کی باتوں کی اطلاع نہ ہو)۔

(د) اپنی چال اور گفتگو میں باوقار رہو: {وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِن زِيْنَتِهِنَّ} [نور:٣١] (اور اس طرح پاؤں مار کر نہ چلیں کہ ان کی پوشیدہ زینت ظاہر ہو) {فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلاً مَّعْرُوفاً} [احزاب:٣٢] (تو ایسے نرم لہجے سے بات نہ کرو کہ جس کے دل میں روگ ہو برے خیالات لائے، ہاں قاعدے کے مطابق گفتگو کرو) اس کے لئے گفتگو ممنوع نہیں ہے، نہ ہی اس کی آواز کا پردہ ہے، بلکہ اسے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ صحیح بات ہی کرے۔

(ھ) پچھلی جاہلیت یا عصر حاضر کی جاہلیت کی طرح کی ہر اس بے پردگی سے اجتناب برتے جو مرد کو اس کی جانب متوجہ کرے اور مرد کے دل میں اس کے بارے میں غلط خیالات پیدا کرے، کہ یہ پاک دامن خواتین کا شیوہ نہیں ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "أيما امرأة استعطرت ثم خرجت من بيتها ليشم الناس ريحها فهي زانية"[15] (جو عورت عطر

[15] حضرت ابوموسیٰ کی روایت سے یہ حدیث ابوداؤد (٤١٧٣) اور ترمذی نے نقل کی ہے، مؤخر الذکر نے اسے حسن صحیح کہا ہے، نسائی (٨/١٥٣) نے کتاب الزینہ میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے: "ايما امرأة استعطرت فمرّت على قوم ليجدوا من ريحها فهي زانية"۔

لگا کر اپنے گھر سے نکلے تا کہ لوگ اس کی خوشبو سونگھیں تو وہ زانیہ ہے) یعنی چاہے وہ ایسی نہ ہو لیکن کام اس کا جیسا ہی کر رہی ہے، لہٰذا اسے اس کام سے ضرور اجتناب کرنا چاہئے۔

(و) عورت اور مرد دونوں کو گناہ کے ارادے سے باز رکھنے کے لئے اور عورت کو بدنامی سے بچانے کے لئے اسلام نے عورت کو شوہر اور محرم کے علاوہ کسی دیگر مرد سے خلوت میں ملنے سے روکا ہے، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے : "**لا يخلون رجل بامرأة ولا تسافرن امرأة إلا ومعها محرم**"[16] (کوئی مرد کسی عورت سے خلوت میں نہ ملے اور کوئی عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے)۔

(ز) اجنبی مردوں کے ساتھ اختلاط نہ ہو، الا یہ کہ کوئی ضرورت یا شریعت کی نگاہ میں معتبر مصلحت اس کی داعی ہو، جیسے مسجد میں نماز، حصول علم اور نیک کاموں میں تعاون، اس طور پر کہ عورت اپنے معاشرہ کی خدمت کر سکے اور مردوں کے ساتھ ملنے کی شرعی پابندیوں سے بھی صرف نظر نہ کرے۔

ان احکام کے ذریعہ اسلام عورت کی نسوانیت کی انسان نما درندوں سے حفاظت کرتا ہے، اس کو غلط راستوں سے بچا کر اس کی حیاء اور عفت کو محفوظ رکھتا ہے، نیز اس کی آبرو کو الزام تراشوں کی زد سے بچاتا ہے، اس کے علاوہ وہ عورت کی شخصیت اور اس کے اعصاب کو ذہنی تناؤ، بے چینی اور ان الجھنوں سے بچاتا ہے جس کی اسیر وہ دل ودماغ کی پریشانی اور طرح طرح کے ہیجان انگیز عوامل کی وجہ سے ہوتی ہے۔

اسی طرح اسلام اپنے ان احکام کے ذریعہ مرد کو بے راہ روی اور بے چینی کے عوامل سے بچاتا ہے، اور خاندان کو نیز پورے معاشرہ کو بکھرنے سے بچاتا ہے۔

---

[16] حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ روایت متفق علیہ ہے، ملاحظہ ہو اللؤلؤ والمرجان (۸۵۰)۔

مشروع اختلاط :

ہمارے یہاں کچھ الفاظ ان معنوں میں استعمال ہونے لگے ہیں جن معنوں میں وہ پہلے استعمال نہیں ہوتے تھے، ایسا ہی ایک لفظ ہے : اختلاط (مردوزن کے درمیان)، عہدنبوت، عہدصحابہ اور عہد تابعین میں مختلف دینی ودنیوی مواقع پر عورت مرد سے ملتی تھی اور مرد عورت سے ملتا تھا، اور یہ علی الاطلاق ممنوع نہیں تھا، بلکہ اگر اس کے اسباب پائے جائیں اور ایسا شریعت کی راہ نمائیوں کی روشنی میں ہوتو یہ مشروع تھا اور اسے ''اختلاط'' کا نام نہیں دیا جاتا تھا۔

پھر عصر حاضر میں یہ لفظ استعمال ہونے لگا، خدا جانے اس کا آغاز کب اور کیسے ہوا، اس لفظ کے اندر ایسے معنیٰ پائے جاتے ہیں جس سے مسلمان کا ذوق اباء کرتا ہے، اس لئے کہ اس کے معنیٰ میں کسی چیز کا دوسری چیز میں گھل مل جانا ہے جیسے کہ نمک اور شکر پانی میں گھل جاتے ہیں۔

اس موقع پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ ہر اختلاط ممنوع نہیں ہے، جیسا کہ سخت گیر لوگ سمجھتے اور سمجھانا چاہتے ہیں، اسی طرح اختلاط مشروع بھی نہیں ہے، جیسا کہ مغرب پرست کہا کرتے ہیں۔

اپنی کتاب ''فتاویٰ معاصرۃ'' کی دوسری جلد میں متعدد سوالوں کا جواب دیتے ہوئے ہم نے اس موضوع سے اعتناء کیا ہے، یہ سوالات اختلاط، عورتوں کو سلام کرنے، مصافحہ کرنے، عورتوں کے ذریعہ مردوں کی اور مردوں کے ذریعہ عورتوں کی عیادت وغیرہ سے متعلق ہیں، اس بابت شرعی احکام جاننے کی خواہش رکھنے والے حضرات ان فتاویٰ سے استفادہ کرسکتے ہیں۔

البتہ اس مقام پر ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم پر رسول اکرم ﷺ، آپ کے خلفاء راشدین اور ہدایت یاب صحابۂ کرام کے اس طریقۂ کار کی پابندی لازمی ہے جس کی اتباع اور پیروی کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، نیز ہمیں آزادرومغرب اور سخت گیر مشرق کے طریقۂ کار سے اجتناب بھی

برتنا چاہئے۔

اسوۂ نبوی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے عہدِ زوال کی طرح اس وقت عورت قید اور الگ تھلگ نہیں تھی۔

عشاء و فجر سمیت عام نمازیں جماعت سے ادا کرنے کے لئے اور جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے عورتیں مسجد نبوی حاضر ہوتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس بات کی تاکید کرتے تھے کہ وہ مردوں کے پیچھے اپنی صفیں بنائیں، اور ان کی صف جس قدر پیچھے ہوگی اتنی ہی بہتر ہوگی، کہ کہیں مردوں کے قابل ستر حصوں پر ان کی نظر نہ پڑ جائے، اس لئے کہ اکثر مرد پیجامہ جیسی کوئی چیز نہیں پہنتے تھے اور عورتوں اور مردوں کے درمیان کسی طرح کی دیوار، لکڑی اور پردہ وغیرہ حائل نہیں ہوتا تھا۔

شروع میں تو مرد اور عورتیں جس دروازے سے چاہتے مسجد میں داخل ہوتے، لیکن ایسی صورت میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت عورتوں اور مردوں کا ایک طرح کا اجتماع ہو جاتا تھا، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہمیں اس دروازہ کو عورتوں کے لئے خاص کر دینا چاہئے''[۱۷] اس کے بعد یہ دروازہ عورتوں کے لئے خاص کر دیا گیا اور آج تک اسے ''باب النساء'' (خواتین کا دروازہ) کہا جاتا ہے۔

عہدِ نبوی میں خواتین جمعہ کی نمازوں میں حاضر ہوتیں اور خطبہ سنتی تھیں، یہاں تک کہ ایک عورت کو سورۂ ق اس لئے یاد ہوگئی تھی کہ اس نے آپ ﷺ کو اس سورت کو جمعہ کے منبر پر پڑھتے ہوئے بہت سنا تھا۔

اسی طرح عورتیں عیدین کی نمازیں میں حاضر ہو کر اُس زبردست اسلامی جشن میں شریک ہوتیں جس میں بڑے اور چھوٹے مرد اور عورت سب فضاء میں نغمۂ تہلیل و تکبیر بلند کرتے ہوئے

۱۷؎ ابوداؤد، جلد اوّل، حدیث نمبر ۴۶۲: ابوداؤد کی ہی ایک اور روایت (۴۶۳) میں یہ قول حضرت عمر کی جانب منسوب ہے اور ابوداؤد نے اسی کو زیادہ صحیح کہا ہے۔

شرکت کرتے تھے۔

امام مسلم نے حضرت ام عطیہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ : ہم (عورتوں) کو، ہم میں سے پردہ والیوں کو بھی اور بے شادی شدوں کو بھی عیدین کی نماز میں شرکت کا حکم دیا جاتا تھا''۔

ایک روایت میں حضرت ام عطیہ کا یہ قول منقول ہے : ''ہمیں رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ ہم عورتوں کو عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں عید گاہ لے جائیں، خواہ وہ جوان، حائضہ اور پردہ والیاں ہی کیوں نہ ہوں، حائضہ خواتین نماز نہ پڑھیں، لیکن وہ اس خیر کے کام میں موجود ہوں اور مسلمانوں کو کی جانے والی نصیحتیں سنیں، میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم میں سے بعض خواتین کے پاس جلباب نہیں ہے آپ نے فرمایا کہ ایسی عورتوں کو دوسری عورتیں جلباب دے دیں۔[۱۸]

اس سنت پر اکثر علاقوں میں اب عمل نہیں ہوتا ہے، عصر حاضر کی اسلامی بیداری کے علمبردار نوجوانوں نے اس کو دوبارہ قائم کیا ہے، ان لوگوں نے بہت سی متروکہ سنتوں کو پھر سے زندہ کیا ہے، جیسے رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کی سنت اور عید کی نماز میں عورتوں کی حاضری کی سنت۔ یہ سنت ابھی ان چند اسلامی ممالک میں ہی زندہ ہوئی ہے جن میں اسلامی بیداری مضبوط ہو چکی ہے۔

عورتیں مردوں کے ساتھ علمی مجلسوں میں حاضر ہوتی تھیں، اور دین کی بابت بہت سے ایسے سوالات کرتی تھیں جن سے آج کی بہت سی خواتین حیاء کریں گی، یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ نے تو انصاری خواتین کی اس بات پر تعریف کی ہے کہ انہیں حیا دینی علم کے حصول سے نہیں روکتی ہے، وہ بکثرت جنابت، احتلام، غسل، حیض اور استحاضہ جیسے امور کی بابت سوالات کرتی تھیں۔

۱۸ے صحیح مسلم، جلد اوّل، کتاب العیدین، حدیث نمبر ۸۹۰:۔

لیکن اس سے بھی ان کی پیاس نہیں بجھتی تھی، اس لئے کہ ایسی مجلسوں میں مرد موجود ہوتے تھے اور وہی آپ ﷺ کی زیادہ توجہ پاتے تھے، اس لئے انہوں نے آپ ﷺ سے یہ درخواست کی کہ آپ ایک دن صرف ان کے ہی لئے خاص کر دیں، جس میں مردان پر غالب نہ ہوں، اس سلسلے میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے صراحۃً عرض کیا کہ : ''یارسول اللہ، آپ کے حضور میں مرد ہم پر غالب رہتے ہیں اس لئے آپ اپنی جانب سے ایک دن ہمارے لئے متعین کر دیجئے'' آپ ﷺ نے ان سے ایک دن کا وعدہ فرمالیا، جس میں آپ نے ان سے ملاقات کی، ان کو نصیحت کی اور انہیں دینی احکام دیے۔ [۱۹]

عورتوں کی یہ سرگرمیاں اتنی بڑھیں کہ انہوں نے اسلامی لشکر اور مجاہدین کی خدمت کا فریضہ انجام دیتے ہوئے ان جنگی سرگرمیوں میں بھی شرکت کی جن کو وہ اچھی طرح انجام دے سکتی تھیں، جیسے تیمارداری، مریضوں کا علاج معالجہ اور زخمیوں کا علاج، اس کے علاوہ وہ بعض دیگر خدمات بھی انجام دیتی تھیں، جیسے کھانا پکانا، پانی پلانا اور مجاہدین کو جن تمدنی چیزوں کی ضرورت ہوتی تھی ان کی تیاری۔

حضرت ام عطیہ سے روایت ہے : ''میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شرکت کی، مجاہدین میدان جنگ میں جاتے تو میں ان کے لئے کھانا بناتی، زخمیوں کا علاج اور مریضوں کی تیمارداری کرتی''۔ [۲۰]

امام مسلم نے حضرت انس کی یہ روایت بیان کی ہے کہ : حضرت عائشہ اور حضرت ام سلیم احد کے دن اپنے پائینچے اٹھائے ہوئے تھیں، دونوں اپنی کمروں پر مشکیں لے کر آتیں اور زخمیوں کو پانی پلاتیں اور جب مشکیں خالی ہو جاتیں تو پھر انہیں بھر کر لاتیں۔ [۲۱] اس موقعہ پر

۱۹۔ بخاری: کتاب العلم، ۱/ ۳۴، بروایت حضرت ابوسعید خدری۔
۲۰۔ مسلم :۱۸۱۲
۲۱۔ مسلم :۱۸۱۱

حضرت عائشہ کی موجودگی ان لوگوں کے دعوے کو رد کر دیتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ غزوات اور معرکوں میں صرف سن رسیدہ خواتین ہی شریک ہوا کرتی تھیں، اس لئے کہ اس وقت حضرت عائشہ عمر کی دوسری دہائی میں تھیں اور ایسے موقعوں پر جہاں بیک وقت جسمانی ونفسیاتی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے عمر دراز خواتین کا کیا کام؟۔

امام احمد نے روایت کیا ہے کہ خیبر کا محاصرہ کرنے والے لشکر میں چھ خواتین تھیں، وہ تیر اٹھاتیں، ستو پلاتیں، زخمیوں کا علاج کرتیں، اللہ کے راستہ میں تعاون کرتیں، اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو مال غنیمت کا ایک حصہ دیا تھا۔ ۲۲ے

بلکہ یہ بات ثابت ہے کہ بعض صحابیات نے موقعہ ملنے پر اسلامی غزوات میں اسلحوں کے ذریعہ شرکت کی، حضرت ام عمارہ نسیبہ بنت کعب نے احد کے دن جو کارنامہ انجام دیا تھا وہ معروف ہے، ان کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا : ''ان کا مقام فلاں وفلاں سے بہتر ہے۔'' ۲۳ے

اسی طرح حضرت ام سلیم نے حنین کے دن ایک خنجر اٹھالیا تھا، تا کہ ان کے قریب جو بھی کافر آئے وہ خنجر کے ذریعہ اس کا پیٹ پھاڑ دیں۔

امام مسلم نے ان کے صاحبزادہ حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ :ام سلیم نے غزوۂ حنین کے موقع پر ایک خنجر اٹھالیا تھا، جو ان کے ساتھ تھا، (ان کے شوہر) حضرت ابوطلحہ نے یہ دیکھا تو رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا : یارسول اللہ یہ دیکھئے ام سلیم کے ہاتھ میں خنجر ہے، آپ ﷺ نے فرمایا : یہ خنجر تمہارے ہاتھ میں کیوں ہے؟ انہوں نے عرض کیا : یہ میں نے لے لیا ہے۔ اگر کوئی مشرک میرے پاس آیا تو میں اس کا پیٹ پھاڑ دوں گی، رسول اللہ ﷺ یہ سن کر ہنسنے لگے۔ ۲۴ے

۲۲ے احمد :۵/۲۷۱،۶/۳۷۱،ابوداؤد:۲۷۲۹۔

۲۳ے طبقات :۸/۴۱۵،سیر اعلام النبلاء:۲...۲۷۸—۲۷۹۔

۲۴ے مسلم :۱۸۰۹۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایک باب ہی "غزو النساء وقتالهن" (عورتوں کا جہاد) کے عنوان سے قائم کیا ہے۔

عہد نبوی وعہد صحابہ کی خواتین کی جہاد کرنے کی خواہش صرف خیبر اور حنین جیسے قریبی علاقوں تک محدود نہیں تھی، بلکہ وہ سمندری سفر کر کے جہاد اور اسلام کو پھیلانے کے لئے دور دراز کے علاقوں کی فتح میں شرکت کی خواہش رکھتی تھیں۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انس سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ دوپہر کے وقت حضرت ام حرام بنت ملحان (حضرت انس کی خالہ) کے یہاں سو گئے، تھوڑی دیر کے بعد آپ ہنستے ہوئے اٹھے، حضرت ام حرام نے عرض کیا : آپ کیوں ہنس رہے ہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا : "مجھے میری امت کے کچھ ایسے لوگ دکھائے گئے ہیں جو سمندر میں تخت شاہی پر بیٹھے بادشاہوں کی طرح سفر کرتے ہوئے جہاد کریں گے"۔ ام حرام کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے ان میں شامل فرمائے۔ تو آپ ﷺ نے ان کے لئے یہ دعا کردی[۲۵]۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اصحاب سیر وتاریخ کا بیان ہے کہ حضرت عثمان کے عہد خلافت میں ام حرام نے اپنے شوہر حضرت عبادہ کے ساتھ قبرص کے لئے سمندری سفر کیا (یعنی بحری غزوہ میں شریک ہوئیں) وہاں پہنچ کر اپنی سواری پر سے گر پڑیں، اور انتقال ہو گیا، وہیں تدفین عمل میں آئی۔

سماجی زندگی کی بات کریں تو عورت داعی الی اللہ تھی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتی تھی، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : {وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ۔۔۔۔۔۔} [توبہ :۷۱] (مومن مرد اور خواتین آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے منع

۲۵۔ ملاحظہ ہو صحیح مسلم کی حدیث: ۱۹۱۲۔

کرتے ہیں)۔

یہ واقعہ تو بہت مشہور ہے کہ ایک مسلم خاتون نے بھری مسجد میں مہر کے مسئلے میں حضرت عمر کی رائے سے اختلاف کیا، اور انہوں نے اس عورت کی رائے کو قبول کیا اور کہا : ''سب لوگ عمر سے زیادہ فقیہ ہیں'' ابن کثیر نے سورۂ نساء کی تفسیر میں اس حدیث کو مسند ابویعلی کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور اس کی سند کو مضبوط کہا ہے''۔ ۲۶ے

مصنف عبدالرزاق کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت عمر نے کہا : ''ایک عورت نے عمر سے اختلاف کیا اور اسی کی رائے صحیح ثابت ہوئی۔ ''۲۷ے

حضرت عمر نے اپنے زمانۂ خلافت میں شفاء بنت عبد اللہ العدویہ کو بازار کا محاسب مقرر کیا تھا۔ قرآن مجید میں مختلف عہدوں کی خواتین کے تذکروں اور انبیاء ورسولوں کی زندگی پر غور کرنے والے کو وہ آہنی پردہ کہیں نظر نہیں آتا جو بعض لوگوں نے مرد وزن کے درمیان قائم کر رکھا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ عین اپنی جوانی میں ایک عمر دراز شخص کی دونو جوان بیٹیوں سے گفتگو کرتے ہیں، اور اس میں کوئی گناہ یا حرج محسوس نہیں کرتے، اور وقار وشرافت کے ساتھ ان کا تعاون کرتے ہیں، پھر ان نوجوان خواتین کے والد ان میں سے ایک کو حضرت موسیٰ کے پاس بھیجتے ہیں، وہ آتی ہیں اور ان سے اپنے والد کے پاس ساتھ چلنے کو کہتی ہیں، پھر ان میں سے ایک حضرت موسیٰ کی طاقت اور امانت سے متاثر ہو کر اپنے والد کو یہ تجویز پیش کرتی ہیں کہ وہ انہیں بطور خادم اپنے یہاں رکھ لیں۔

سورۂ قصص میں اس قصہ کو بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے { :وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ

۲۶ے تفسیر ابن کثیر :۱/ ۴۶۷، مطبوعہ عیسی الحلبی، ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس میں مجالد بن سعید ہیں، جو کہ ضعیف ہیں، کچھ لوگوں نے ان کو ثقہ بھی کہا ہے: ۴/ ۲۸۴۔

۲۷ے ابن کثیر نے بھی یہ روایت ذکر کی ہے، ملاحظہ ہو حوالۂ سابق، نیز مصنف عبدالرزاق: ۶/ ۱۸۰ (۱۰۴۲۰)۔

وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ وَوَجَدَ مِن دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّى يُصْدِرَ الرِّعَاءُ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ ٥ فَسَقَى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّى إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ٥ فَجَائَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَاء قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا فَلَمَّا جَائَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ٥ قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ}[قصص : ۲۳–۲۶] (اور جب وہ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں کی ایک جماعت وہاں پانی پلا رہی ہے، اور دو عورتیں الگ کھڑی اپنے جانوروں کو روکتی ہوئی دکھائی دیں، پوچھا کہ تمہارا کیا معاملہ ہے، وہ بولیں کہ جب تک یہ چرواہے واپس نہ لوٹ جائیں ہم پانی نہیں پلاتیں اور ہمارے والد بہت عمر دراز ہیں، پھر انہوں نے ان جانوروں کو پانی پلا دیا پھر سائے کی طرف آ گئے، اور کہنے لگے اے پروردگار تو جو کچھ بھلائی میری طرف اتارے اس کا محتاج ہوں۔ اتنے میں ان دونوں عورتوں میں سے ایک ان کی طرف شرم وحیا سے چلتی ہوئی آئی، کہنے لگی کہ میرے باپ آپ کو بلا رہے ہیں تا کہ آپ نے ہمارے جانوروں کو جو پانی پلایا ہے اس کا بدلہ دیں۔ جب حضرت موسیٰ ان کے پاس پہنچے تو وہ کہنے لگے اب نہ ڈریے، آپ نے ظالموں سے نجات پالی ہے، ان دونوں میں سے ایک نے کہا ابا جی! ان کو مزدور رکھ لیجئے کہ بہترین مزدور قوی اور امین ہوتا ہے)۔

حضرت مریمؑ کے قصے میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت زکریا ان کی رہائش گاہ میں آتے ہیں اور ان سے ان کے رزق کی بابت سوال کرتے ہیں : {كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِندَهَا رِزْقاً قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّى لَكِ هَـذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِندِ اللّهِ إنَّ اللّهَ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ}[آل عمران :۳۷] (جب کبھی زکریا ان کے پاس جاتے رزق موجود پاتے، وہ پوچھتے کہ اے مریم! یہ رزق تمہارے پاس کہاں سے آیا وہ جواب دیتیں، یہ اللہ کے یہاں سے آیا

ہے، بلا شبہ وہ جسے چاہتا ہے بے شمار روزی دیتا ہے)۔

ملکۂ سبا کے قصے میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی قوم کو جمع کر کے ان سے حضرت سلیمانؑ کی بابت مشورہ کرتی ہیں{ :قَالَتْ يَا أَيُّهَا المَلأُ أَفْتُونِيْ فِيْ أَمْرِيْ مَا كُنتُ قَاطِعَةً أَمْراً حَتَّى تَشْهَدُونo قَالُوا نَحْنُ أُوْلُوا قُوَّةٍ وَأُولُوا بَأْسٍ شَدِيْدٍ وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانظُرِيْ مَاذَا تَأْمُرِيْنَo قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَلِكَ يَفْعَلُونَ}[نمل: ۳۲-۳۴] (اس نے کہا اے میرے سردارو! تم میرے اس معاملہ میں مجھے مشورہ دو، میں کسی امر کا قطعی فیصلہ جب تک تمہاری موجودگی اور رائے نہ ہو نہیں کیا کرتی، ان سب نے جواب دیا کہ ہم طاقت اور قوت والے سخت لڑنے بھڑنے والے ہیں۔ آگے آپ کو اختیار ہے آپ خود ہی سوچ لیں کہ ہمیں کیا حکم دیتی ہیں، اس نے کہا کہ بادشاہ جب کسی بستی میں گھستے ہیں تو اسے اجاڑ دیتے ہیں اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے)۔

اسی طرح حضرت سلیمان نے ان سے اور انہوں نے حضرت سلیمانؑ سے گفتگو کی :
{فَلَمَّا جَاءَتْ قِيْلَ أَهَكَذَا عَرْشُكِ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ وَأُوتِيْنَا الْعِلْمَ مِن قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْن o وَصَدَّهَا مَا كَانَت تَّعْبُدُ مِن دُونِ اللهِ إِنَّهَا كَانَتْ مِن قَوْمٍ كَافِرِيْنَo قِيْلَ لَهَا ادْخُلِيْ الصَّرْحَ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَن سَاقَيْهَا قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّن قَوَارِيْرَ قَالَتْ رَبِّ إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ}[نمل : ۴۲-۴۴] (پھر جب وہ آ گئی تو اس سے کہا گیا کہ کیا ایسا ہی آپ کا بھی تخت ہے؟ اس نے جواب دیا کہ گویا یہ وہی ہے، ہمیں اس سے پہلے ہی علم دیا گیا تھا اور ہم مسلمان تھے، اسے انہوں نے روک رکھا تھا جن کی وہ اللہ کے علاوہ عبادت کیا کرتی تھی، یقیناً وہ کافروں میں سے تھی، اس سے کہا گیا کہ محل میں چلی چلو، جسے دیکھ کر یہ سمجھ کر کہ یہ حوض ہے اس نے اپنی پنڈلیاں

کھولدیں، فرمایا یہ تو شیشے سے منڈھی ہوئی عمارت ہے، کہنے لگی میں نے اپنے اوپر ظلم کیا، اب میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی مطیع اور فرمانبردار بنتی ہوں)۔

یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ پچھلی قوموں کی شریعت ہے اس لئے ہمارے لیے حجت نہیں ہے، اس لئے کہ قرآن مجید نے اس کا تذکرہ اسی لئے کیا ہے کہ اس میں عقل مندوں کے لئے ہدایت اور عبرت کا سامان ہے، لہٰذا صحیح یہ ہے کہ : پچھلی قوموں کی شریعتوں میں سے قرآن و سنت میں مذکور حکم ہمارے لیے بھی شرعی حکم کی حیثیت رکھتا ہے، الایہ کہ ہماری شریعت کے کسی حکم نے اس کو منسوخ کر دیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا تھا : {أُولٰـئِکَ الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ} [انعام: ۹۰] (یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت یاب کیا تھا اس لئے ان کے طریقہ کی پیروی کیجئے)۔

گھر کی چار دیواری میں عورت کے اس طرح قید رہنے کو کہ وہ گھر سے باہر نہ نکلے قرآن مجید نے (زنا کی موجودہ سزا کے نازل ہونے سے پہلے کے تشریعی تدریج کے مرحلہ میں) مسلم خواتین میں سے زنا کا ارتکاب کرنے والیوں کے لئے سزا مانا تھا، قرآن مجید نے اس بابت فرمایا تھا : {وَاللاَّتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِن نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُواْ عَلَيْهِنَّ أَرْبَعةً مِّنكُمْ فَإِن شَهِدُواْ فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىَ يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيلاً} [نساء: ۱۵] (تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں ان پر اپنے میں سے چار گواہ طلب کرو، اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھر میں قید رکھو، یہاں تک کہ ان کی وفات ہو جائے یا اللہ ان کے لئے کوئی اور راستہ نکال دے)۔

پھر ایسی عورتوں کے لئے اللہ نے راہ نکالی اور حد زنا مشروع کی، یعنی غیر شادی شدہ کے لئے قرآن کی بیان کردہ سزا یعنی کوڑے، اور شادی شدہ کے لئے سنت نبوی کی بیان کردہ سزا یعنی رجم۔

تو قرآن وسنت کی نگاہ میں یہ کیسے درست ہوگا کہ دیندار و باوقار مسلم خاتون کو مسلسل

گھر میں قید رکھ کر گویا کہ ہم اسے اس کے نا کردہ گناہ کی سزا دیتے رہیں۔

حاصل کلام یہ کہ مردوں اور عورتوں کے درمیان ملاقات فی نفسہ حرام نہیں ہے، بلکہ یہ جائز ہے اور اس وقت تو مطلوب ہے جب اس ملاقات سے مقصود کسی اچھے کام میں شرکت ہو، جیسے علم نافع، عمل صالح، کوئی خیر کا کام، لازمی جہاد، یا کوئی اور مفید کام جس میں دونوں صنفوں کی کاوشوں کی ضرورت ہو، اور جس کی منصوبہ بندی اور عمل آوری میں دونوں کے تعاون کی ضرورت ہو۔ ۲۸؎

حدود نا آشنا اختلاط کے حامیوں کے اعتراضات :

مرد و زن کے تعلقات اور اچھے مقاصد کے لئے ان کی ملاقات کی بابت یہ اسلام کا موقف اور اس کا نقطۂ نظر ہے۔ اس کو ہم نے ''مشروع اختلاط'' سے تعبیر کیا ہے۔

لیکن فکری استعمار نے ہمارے یہاں کچھ ایسے لوگ پیدا کئے ہیں جو اللہ ورسول کے احکام کی بالکل پرواہ نہیں کرتے ہیں، اور ہم سے کہتے ہیں کہ ہم عورت کو مادر پدر آزاد چھوڑ یں، تا کہ وہ اپنے آپ کو ثابت کر سکے، اپنی شخصیت کے جوہر سامنے لا سکے اور اپنی زندگی ونسوانیت سے لطف اندوز ہو سکے۔

وہ مرد کے ساتھ رہے، اس کے ساتھ خلوت میں وقت گزارے، ساتھ میں سفر کرے، سینما دیکھے، آدھی رات تک اس کے ساتھ رہے، موسیقی کے نغموں پر اس کے ساتھ رقص کرے، اور اپنے دوستوں اور شناساؤں میں سے تجربہ کے ذریعہ صحیح جوڑے کا انتخاب کرے، اس طرح

۲۸؎ ہماری کتاب ''فتاوی معاصرہ'' کی دوسری جلد کے یہ موضوعات ملاحظہ ہوں: اختلاط، سلام کرنا، مصافحہ، عیادت، عورت کی اقتصادی سرگرمیاں (۲۷۷–۳۰۹)۔

ازدواجی زندگی باقی رہے گی اور مخالف حالات میں بھی دائم وقائم رہ سکے گی۔

یہ حضرات اپنے آپ کو پاک باز فرشتے تصور کرتے ہوئے کہتے ہیں : اس مہذب تعلق، پاک دوستی، اور شریفانہ ملاقات کو مرد یا عورت کے لئے خطرناک نہ سمجھئے، اس لئے کہ مرد وزن کی بکثرت ملاقات سے جنسی جذبات ماند پڑ جائیں گے، اور مرد وزن دونوں محض ملاقات، دیدار اور گفتگو ہی سے لذت اندوز ہولیں گے، اگر کچھ بات بڑھے گی تو باہم رقص کر لیں گے اور رقص صرف ایک بلند فنی تعبیر ہی تو ہے، اور حسی لطف اندوزی کی کوئی گنجائش نہیں بچے گی، یہ سب محض جنسی قوت کا مناسب طریقہ پر رخ موڑنا ہے، ترقی یافتہ مغربی اقوام نے بھی محرومی اور زوال سے پیچھا چھڑانے کے بعد یہی رائے اختیار کی ہے۔

ان حضرات کا جواب :

ان حضرات کو ہم دو طرح سے جواب دیتے ہیں :

۱ – ہم سب پہلے مسلمان ہیں، اور ہم مغربیوں اور مشرقیوں کی خواہشات کے اتباع میں دین نہیں بیچتے، اور ہمارا دین اس اختلاط کو، اس کی بے پردگی، فتنہ اور اس کی گمراہی کو حرام قرار دیتا ہے : {**ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَى شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ○ إِنَّهُمْ لَن يُغْنُوا عَنكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئاً وإِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ**}[جاثیہ : ۱۸–۱۹] (پھر ہم نے آپ کو دین کی راہ پر قائم کردیا سو آپ اسی پر لگے رہیں، اور نادانوں کی خواہشوں کی پیروی میں نہ پڑیں، یہ لوگ اللہ کے مقابلے آپ کے کچھ کام نہیں آسکتے، ظالم آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں اور متقیوں کا ولی اللہ ہے)۔

۲ – یہ جس مغرب کے مقلد ہیں وہ آج خود اس آزادروی سے عاجز ہے، اس آزادروی نے ان کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو بگاڑ دیا ہے، اور ان کی تہذیب اپنے ہاتھوں آپ ہی خودکشی کررہی ہے، جنسی آزادی کے لئے امریکا اور سویڈن جیسے جو ممالک معروف ہیں، اعداد

وشمار نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہاں مرد وزن کے درمیان ملاقات کی آزادی بلکہ اس کے بعد کے مراحل کی بھی آزادی سے شہوانی جذبات کی آگ بجھی نہیں بھڑکی ہے، بلکہ لوگ اس آزادی سے جس قدر فیض یاب ہوئے ان کی پیاس اتنی ہی بڑھتی گئی۔

اب ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ :اس آزادی ،ترقی پسندی یا پاکیزہ روایات سے بے پرواہ ہونے کا نتیجہ ’مہذب مغربی معاشروں‘‘ میں کیا ہوا؟

مغربی معاشروں میں آزاد اختلاط کے نتائج :

اس سلسلہ کے اعداد وشمار کے مطابق مرد وزن کے درمیان رکاوٹوں کو دور کرنے والی جنسی آزادی کے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آئے ہیں :

۱ــ اخلاقی زوال :

اخلاقی زوال ،جنسی شہوت کی بے لگامی ،انسانیت پر حیوانیت کا غلبہ ،مردوں اور عورتوں میں حیاء و پاک دامنی کا فقدان نیز معاشرہ کی بے چینی ۔۔۔۔۔ یہ سب اسی کے نتیجے ہیں۔

سابق صدر امریکا کنیڈی نے اپنے ایک مشہور بیان میں جسے ۱۹۶۲ء کے اخبارات اور خبر رساں ایجنسیوں نے نشر کیا تھا کہا تھا : ’’آج کا امریکی نوجوان کمزور و ناتواں ،بگڑا ہوا اور جنسی شہوتوں کا اسیر ہے ،فوج میں بھرتی کے لئے آنے والے ہر سات نوجوانوں میں سے چھ شہوانی حرکتوں میں اپنے منہمک ہونے کی وجہ سے نااہل ہوتے ہیں‘‘ ۔اس نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ نوجوان امریکا کے مستقبل کے لئے خطرہ ہیں۔

ہارورڈ یونیورسٹی کے ریسرچ سنٹر کے ڈائرکٹر کی ایک کتاب ’’جنسی انقلاب‘‘ نامی ہے، اس کے مصنف نے لکھا ہے کہ امریکا جنسی بے راہ روی کے بحران کی جانب گامزن ہے، یہ وہی

رخ ہے جس نے زمانۂ قدیم میں افریقی ورومانی تہذیبوں کو زوال کا منہ دکھایا تھا، مصنف لکھتا ہے : ''ہم ہر چہار جانب سے جنسی وبا سے گھرے ہوئے ہیں، یہ وبا ہماری ثقافت اور ہماری زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہے''۔ ۲۹ ؎

اگرچہ کمیونٹس ان جنسی مسائل پر کم ہی تبادلۂ خیال کرتے ہیں، اور میڈیا کو بھی ان موضوعات پر توجہ دینے کی اجازت نہیں دیتے، پھر بھی ۱۹۶۲ء میں روسی راہ نما گروچوف کا ایک بیان منظر عام پر آیا، جس میں انہوں نے اس بات کا اعلان کیا کہ نوجوان گمراہ ہو گئے ہیں اور انہیں خوش حالی نے بگاڑ دیا ہے، پھر انہوں نے یہ دھمکی بھی دی کہ بھٹکے ہوئے نوجوانوں سے بچنے کے لئے نئی چھاؤنیاں سائبیریا میں بھی قائم کی جاسکتی ہیں، اس لئے کہ یہ بھٹکے ہوئے نوجوان روس کے مستقبل کے لئے خطرہ ہیں۔

۲ —غیر قانونی اولاد کی کثرت :

جنسی آزادی نیز نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان کسی طرح کا حجاب نہ ہونے کا یہ فطری نتیجہ ہے، امریکا کے ایک ادارے نے سکنڈری اسکولوں کی حاملہ طالبات کے اعداد وشمار جمع کئے تو جو تناسب سامنے آیا وہ نہایت ڈرانے والا تھا۔

آئیے دیکھیں کہ اس سلسلے کے جدید ترین اعداد وشمار کیا کہتے ہیں :

''۱۹۸۳ء میں نیویارک میں پیدا ہونے والے ایک تہائی بچے غیر قانونی تھے، یعنی وہ بلا شادی کے پیدا ہوئے تھے، ان کی اکثریت ۱۹ سال یا ان سے کم عمر نوجوان لڑکیوں کی اولاد تھی، ان کی تعداد: ۱۱۲،۳۵۳ (ایک لاکھ بارہ ہزار تین سو ترپن) تھی، یہ تعداد اس سال نیویارک میں پیدا ہونے والے بچوں میں ۳۷٪ پر مشتمل تھی۔ ۳۰ ؎

۲۹ ؎ ملاحظہ ہو ہماری کتاب: الإسلام حضارة الغد کی فصل :آفات الحضارة المعاصرة، الانحلال الاخلاقی، والتفسخ العائلی والقلق النفسی ص ۷۲:۔

۳۰ ؎ جريدةالشرق الاوسط، جلد: ۷، شمارہ: ۲۰۸۶، بروز منگل، مؤرخہ ۱۷/ذی قعدہ ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۴: اگست ۱۹۸۴ء۔

۳۔ غیر شادی شدہ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی کثرت :

شادی اور خاندان کے بوجھ سے محفوظ رہتے ہوئے شہوانی جذبات کی تسکین کے لئے میسر طریقوں کی وجہ سے بہت سے نوجوان آسان طریقہ اختیار کرنے لگے ہیں، وہ اپنی نوجوانی کو متعدد لڑکیوں کے درمیان گزارتے ہیں، وہ اپنے بقول یکجائی کی قید سے بچتے ہوئے ہرجائی کے مزے لیتے ہیں، اور ازدواجی و پدری ذمہ داریوں سے سبکدوش رہتے ہیں۔

اس کے نتیجہ میں نوجوان لڑکیوں کی زبردست تعداد نوجوانی میں کسی شوہر کے بغیر گزارتی ہے، ہاں کچھ لوگ شادی کو حرام متعہ کا ذریعہ بناتے ہیں، اسی طرح نوجوان لڑکوں کی بھی ایک بڑی تعداد ازدواجی زندگی سے محروم رہتی ہے، اس کا ثبوت جدید ترین اعداد وشمار ہیں، اعداد وشمار کے امریکی ادارے کے ذمہ دار نے ۲۲/ذی قعدہ ۱۴۰۲ھ/ ۱۰ ستمبر ۱۹۸۲ء کو ایک بیان میں وضاحت کی کہ ''اس صدی کے آغاز سے اب تک پہلی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ سین فرانسیسکو نامی شہر کی اکثریت غیر شادی شدہ لوگوں پر مشتمل ہے۔

امریکی سماجی تنظیم کی جانب سے منعقد ایک پریس کانفرنس میں برس چیمپ مین نے بتایا کہ : ''جدید اعداد وشمار کے مطابق سین فرانسیسکو کے ۵۳٪ باشندے غیر شادی شدہ ہیں، انہوں نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ یہ اعداد روایتی خاندانی نظام کے خاتمہ کا پیش خیمہ ہوسکتے ہیں۔

چیمپ مین نے یہ بھی کہا کہ ''یہ سماجی تبدیلی اس شہر کی ترقی کے لئے نہایت مناسب ہے جس میں پچھلے دس سال کے دوران ۲۴ سے ۳۵ سال کی عمر کے نوجوان باشندوں کی تعداد میں □ ۴ء۔۴٪ کا اضافہ ہوا ہے''۔

انہوں نے یہ بھی بتایا کہ ''اس تعداد میں جنسی شذوذ کے شکار وہ لوگ شامل نہیں ہیں جو شہر کے باشندوں میں ۱۵٪ ہیں''۔

اس صورت حال کے ہوتے ہوئے ہمیں اخبارات میں اس طرح کی خبریں دیکھ کر

تعجب نہیں کرنا چاہئے :

''سویڈن کے مختلف علاقوں سے آئی ہوئی خواتین نے ایک مظاہرہ سویڈن میں جنسی آزادی کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے کیا، اس مظاہرہ میں ایک لاکھ خواتین نے شرکت کی، یہ خواتین اپنی دستخط سے آراستہ ایک میمورنڈم حکومت کو پیش کریں گی، یہ میمورنڈم اخلاقی اقدار کے زوال پر احتجاج درج کرائے گا''۔

۴– معمولی اسباب کی بنیاد پر خاندان کے بکھرنے اور طلاق کی کثرت :

جب شادی کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں ہوں اور شادی کے بعد اس بندھن کا بقاء بھی یقینی نہ ہوتو پھر معمولی اسباب کی بناء پر خاندان بکھریں گے اور بندھن ٹوٹیں گے۔

اسی لئے امریکہ میں ہر سال طلاق کے تناسب میں نہایت خوفناک اضافہ ہوتا ہے، اور یہ بات صرف امریکہ تک محدود نہیں ہے، بلکہ اکثر مغربی ممالک کا یہی حال ہے۔

۵– مہلک امراض کا پھیلاؤ :

اسی کے نتیجہ میں جنسی اعصابی، عقلی اور نفسیاتی امراض عام ہوئے، اور زبردست بے چینی پھیلی جس کے شکار لاکھوں لوگ ہوئے۔

سب سے زیادہ خطرناک مرض عہد حاضر میں دریافت ہوا ایڈز ہے، جو کہ جسم کے تحفظاتی نظام کو ختم کر کے انسان کو ہلاکت کے منھ میں ڈھکیلتا ہے، اور تمام عالم میں شائع ہونے والے اخبارات اور رسالوں میں چھپنے والے اعداد و شمار کے مطابق امریکا اور یورپ میں دسیوں لاکھ لوگوں کو اپنا شکار بنا چکا ہے، اس صورت حال سے رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کی تصدیق ہوتی ہے جس میں آپ نے فرمایا تھا : ''جب بھی کسی قوم نے اعلانیہ بے حیائی کی حرکتیں کی تو انہیں ایسے طاعون اور ایسی قحط سالیوں کا سامنا کرنا پڑا جن کا سامنا ان کے

اسلاف کونہیں کرنا پڑا تھا''۔[۱۳۱]

اس مرض کے علاوہ نہ جانے کتنے اعصابی اور نفسیاتی امراض اہل مغرب کے یہاں جنگل کی آگ کی طرح پھیلے، اور ان کے شکار لوگوں سے شفاخانے ومعاشرے بھر گئے۔

تو کیا یہ اختلاط کے داعی ہمارے معاشروں میں بھی یہ امراض پھیلانا چاہتے ہیں، حالانکہ اس وقت ہم بفضل خداوندی ان کے شر سے بچے ہوئے ہیں، یا یہ اعداد وشمار ان کے ذہنوں سے غائب ہیں؟

فرائڈ اور سائیکلوجی (نفسیات) کے تجزیاتی مکتب فکر کے ماہرین میں سے اس کے متبعین کا کہنا ہے کہ انسان کی جنسی صلاحیتوں پر سے پابندی ہٹانے سے اعصاب کوسکون ملتا ہے، دلوں کی بے چینیاں دور ہوتی ہیں اور انہیں اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

یہ پابندیاں ختم ہوئیں، جنسی شہوتوں کو آزاد چھوڑ دیا گیا لیکن اس کا نتیجہ صرف یہ نکلا کہ دلوں کی بے چینی بڑھی، ذہنی تناؤ عام ہوا اور نفسیاتی بے چینی اس زمانہ کا سب سے بڑا مرض بن گئی، اور ہزاروں نفسیاتی علاجوں نے کچھ بھی فائدہ نہ پہنچایا۔

---

۱۳۱ حضرت ابن عمر کی روایت سے یہ حدیث ابن ماجہ (۴۰۱۹) نے نقل کی ہے، ہیثمی نے اس کو قابل عمل کہا ہے، حاکم (۴/۵۴۰۔۵۴۱) نے اسے نقل کرکے صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کے اس قول کی تائید کی ہے، بیہقی نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

عورت بطور ماں

انسان کا عورت کے ساتھ پہلا واسطہ بطور ماں پڑتا ہے۔حمل، ولادت، رضاعت اور پرورش میں ماں کو زبردست پریشانیاں اٹھانی پڑتی ہیں۔

تاریخ انسانی میں کسی بھی دین نے عورت کو بطور ماں اسلام کی طرح نہ عزت دی ہے اور نہ اس کے مقام ومرتبہ کو بلند مانا ہے۔

اسلام نے ماں کے ساتھ حسن سلوک کی حد درجہ تاکید کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید وعبادت کے ساتھ اس کا حکم دیا ہے، ماں کے ساتھ حسن سلوک کو اس نے عظیم نیکیوں میں سے ایک شمار کیا ہے۔حمل، ولادت، رضاعت وتربیت میں ماں کو پیش آنے والی پریشانیوں کی وجہ سے اسلام نے اس کا حق باپ سے زیادہ بتایا ہے۔ یہ حکم قرآن مجید نے متعدد سورتوں میں دیا ہے تاکہ اولاد کے دل ودماغ میں یہ تعلیم گھر کر جائے۔ مثلاً {وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْناً عَلَى وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ} [لقمان: ۱۴] (اورہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی ہے، اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اسے حمل میں رکھا، اور اس کی دودھ چھڑائی دوسال میں ہے، کہ تم میری اور اپنے والدین کی شکر گزاری کرو کہ تم کو میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے) ایک اور موقعہ پر فرمایا : {وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَاناً حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهاً وَوَضَعَتْهُ كُرْهاً وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْراً} [احقاف : ۱۵] (اورہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، اس کی ماں نے اسے تکلیف جھیل کر پیٹ میں رکھا، اور تکلیف برداشت کر کے اسے جنا، اس کے حمل کا اور اس کے دودھ

چھڑانے کا زمانہ تیس مہینے کا ہے)۔

ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے دریافت کیا کہ : میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ نے فرمایا : تمہاری ماں، اس نے پوچھا : پھر کون؟ آپ نے ارشاد فرمایا : تمہاری ماں، اس نے پوچھا: پھر کون؟ آپ نے ارشاد فرمایا : تمہاری ماں، اس نے دریافت کیا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا تمہارے والد۔ [۳۲]

امام بزار کی نقل کردہ ایک روایت میں مذکور ہے کہ ایک شخص اپنی ماں کو گود میں لئے طواف کرا رہا تھا، طواف کرانے کے بعد اس نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا : کیا میں نے اپنی ماں کا حق ادا کیا؟ آپ نے فرمایا : نہیں، حمل و ولادت کے سلسلہ میں ہونے والی ایک لمحہ کی تکلیف کا بھی حق ادا نہیں ہوا۔ [۳۳]

والدہ کے ساتھ حسن سلوک کا مطلب ہے ان سے اچھی طرح پیش آنا، ان کی عزت کرنا، ان کے ساتھ نرمی سے پیش آنا، شریعت کی نگاہ میں گناہ کے علاوہ تمام امور میں ان کا کہنا ماننا، ہر کام میں یہاں تک کہ جہاد میں بھی ان کی مرضی کے مطابق کام کرنے کی کوشش کرنا، جہاد چونکہ فرض کفایہ ہے اس لئے اس میں بغیر والدہ کی اجازت کے شرکت جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ والدہ کے ساتھ حسن سلوک خود ایک جہاد ہے۔

ایک شخص رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا : یا رسول اللہ! میں جہاد کرنا چاہتا ہوں اور آپ کی خدمت میں مشورہ کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں، آپ نے اس

۳۲۔ یہ روایت امام بخاری و امام مسلم نے نقل کی ہے، ملاحظہ ہو :**اللؤلؤ والمرجان فیما اتفق علیه الشیخان**، جلد سوم (حدیث نمبر: ۱۶۵۲)

۳۳۔ بزار جلد دوم، (۱۸۷۲) اس روایت کی بابت انہوں نے لکھا ہے کہ ہمارے علم کے مطابق یہ حدیث صرف اسی سند سے مرفوع ہے۔

سے پوچھا : کیا تمہاری والدہ ہیں؟ اس نے عرض کیا : جی۔ آپ نے فرمایا : ماں کی خدمت میں رہو کہ جنت ان کے قدموں میں ہے۔ [۳۴]

اسلام سے پہلے ماں کے ذریعہ قائم رشتوں کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا تھا، اسلام نے ماموؤں اور خالاؤں کے ساتھ حسن سلوک کی ویسے ہی تاکید کی جیسے چچاؤں اور پھوپھیوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی۔

رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے کہا : مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا ہے۔ تو کیا میرے لئے توبہ کی کوئی صورت ہے؟ آپ نے اس سے دریافت فرمایا : کیا تمہاری والدہ بقید حیات ہیں، اس نے کہا : نہیں، پھر آپ نے فرمایا : کیا تمہاری خالہ حیات سے ہیں، اس نے کہا : جی ہاں! آپ نے فرمایا : پھر ان کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ [۳۵]

نہایت حیرت ناک بات یہ ہے کہ اسلام نے والدہ کے مشرک ہونے کی صورت میں بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے، حضرت اسماء بنت ابی بکر کی مشرک والدہ ان کے یہاں آئیں، تو حضرت اسماء نے رسول اللہ ﷺ سے ان کے ساتھ حسن سلوک کی بابت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا : ہاں ان کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ [۳۶]

اسلام نے مامتا کو جو آخری درجہ کی اہمیت دی ہے اور اس کے حق وجذبات کا جو خیال رکھا ہے اس کی آخری درجہ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے بچے کی پرورش کے سلسلہ میں مطلقہ ماں کو باپ سے زیادہ حقدار مانا ہے۔

۳۴۔ نسائی: ۶/ ۱۱، ابن ماجہ: ۱/ ۲۷۸، حاکم: ۴/ ۱۵۱، حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے اس روایت کے راوی معاویہ بن جاہمہ ہیں۔

۳۵۔ ترمذی: ابواب البر والصلۃ: ۱۹۰۵، ابن حبان: الاحسان: ۴۳۵، حاکم (۴/ ۱۵۵) نے بھی اسے نقل کیا ہے، اور شیخین کی شرط کے مطابق صحیح کہا ہے، اور ذہبی نے ان کی اس رائے کی تائید کی ہے، ان تمام حضرات نے یہ حدیث حضرت ابن عمر کی روایت سے نقل کی ہے۔

۳۶۔ حضرت اسماء کی یہ روایت متفق علیہ ہے، ملاحظہ ہو اللؤلؤ والمرجان (۵۸۷)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ ایک عورت نے آ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ میرا بیٹا ہے، میرا پیٹ اس کی رہائش گاہ تھی، میرا سینہ اس کو دودھ پلاتا ہے، میری گود اس کی پناہ گاہ ہے، اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اسے مجھ سے چھیننا چاہتا ہے، آپ نے فرمایا : جب تک تم دوسری شادی نہ کرو تم ہی اس کی زیادہ حق دار ہو۔ ۳۷۔

امام خطابی نے معالم السنن میں تحریر فرمایا ہے : ''اس خاتون کی مذکورہ بالا گفتگو کا مقصد اپنا حق زیادہ ثابت کرنا ہے، وہ یہ کہنا چاہتی ہے کہ ولادت کے سلسلہ میں اگرچہ باپ بھی شریک تھا لیکن یہ امور صرف اسی سے متعلق رہے ہیں۔ بچے کی پرورش و پرداخت سے متعلق یہ وہ امور ہیں جن میں باپ کی کوئی شرکت نہیں ہوتی ہے اس لئے بچے سے متعلق اختلاف کے وقت وہ ترجیح کی مستحق ٹھہری۔ ۳۸۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے اپنی انصاری اہلیہ (جو کہ ان کے صاحبزادے عاصم کی والدہ تھیں) کو طلاق دے دی، پھر ایک دن وہ حضرت عمر کو محسر (مدینہ و قباء کے درمیان واقع بازار) میں دکھیں، ان کے ساتھ حضرت عاصم بھی تھے، جن کا اب دودھ چھوٹ گیا تھا اور وہ چلنے لگے تھے، حضرت عمر نے صاحبزادہ کا ہاتھ پکڑا تا کہ انہیں ان کی والدہ سے چھین کر لے جائیں، اس موقعہ پر دونوں میں بحث و مباحثہ بھی ہو گیا یہاں تک کہ صاحبزادے رو پڑے، حضرت عمر نے کہا : میں تمہارے مقابلے میں اپنے بیٹے کا زیادہ حق دار ہوں، دونوں یہ مقدمہ لے کر حضرت ابو بکرؓ کے پاس پہنچے۔ حضرت ابو بکر نے اہلیہ کے حق میں فیصلہ کر دیا، اور حضرت عمر سے فرمایا : اس کی خوشبو، اس کا بستر اور اس کی گود بچہ کے لئے تم سے

۳۷۔ مسند احمد: ۶۷۰۷، شیخ احمد محمد شاکر نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے، ابوداؤد، کتاب الطلاق: ۲۲۷۶ بسند : عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ۔

۳۸۔ معالم السنن: ۲۱۸۱۔

بہتر ہے، ہاں جب یہ بچہ بڑا ہو جائے تو پھر یہ جوفیصلہ اپنے لئے مناسب سمجھے کرے۔[۳۹]

اسی طرح پرورش کے سلسلے میں اسلام نے ننیہالی رشتہ داروں کو ددیہالی رشتہ داروں پر ترجیح دی ہے۔

جس ماں کو اسلام نے یہ اہمیت دی ہے اور جس کے یہ حقوق بتائے ہیں اس کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ اپنی اولاد کی اچھی تربیت کرے، ان میں اچھائیوں سے محبت اور برائیوں سے نفرت پیدا کرے، اللہ تعالی کے اطاعت کی انہیں عادت ڈلوائے، ان میں خدمت دین کا شوق پیدا کرے، اپنی مامتا کے زیر اثر ان کو جہاد سے نہ روکے، بلکہ حق کی آواز کو مامتا کی آواز پر غالب کرے۔

مومن ماں کا ایک نمونہ ہمیں حضرت خنساء کی صورت میں نظر آتا ہے، جنگ قادسیہ میں انہوں نے اپنے چاروں بیٹوں کا حوصلہ بڑھایا اور نہایت بلیغ الفاظ میں انہیں اللہ کی راہ میں آگے بڑھنے اور ثابت قدم رہنے کی تلقین کی۔ جنگ کے خاتمہ پر انہیں اپنے چاروں بیٹوں کی شہادت کا علم ہوا تو نہ وہ روئیں اور نہ بے قابو ہوئیں، بلکہ رضا و یقین کے ساتھ فرمایا : تمام تر تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے ان کی شہادت کا شرف دیا۔

وہ مائیں جنہیں نقش دوام حاصل ہوا :

قرآن مجید نے مؤمنین کے لئے ایسی بلند پایہ و نیک ماؤں کا تذکرہ کیا ہے جن کا تاریخ ایمان میں مخصوص مقام و مرتبہ ہے۔

حضرت موسیٰ کی والدہ کو اپنے رب کے وعدہ پر ایسا یقین ہے کہ وہ اس کی وحی والہام کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنے جگر گوشے کو دریا میں ڈال دیتی ہیں : ﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَى أُمِّ مُوسَى أَنْ أَرْضِعِيهِ فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي إِنَّا رَادُّوهُ

[۳۹] مصنف عبدالرزاق: ۱۲۶۰۱۔

إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْن} [قصص: ۷] (ہم نے موسیٰ کی ماں کو وحی کی کہ اسے دودھ پلاتی رہو، پھر جب اس کے سلسلے میں تمہیں خوف ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا، اور نہ ڈرنا، نہ غمگین ہونا، ہم اسے تمہارے پاس لوٹا دیں گے اور اپنے رسولوں میں شامل کریں گے)۔

حضرت مریم کی والدہ نے یہ نذر مانی تھی کہ جو بچہ پیدا ہوگا وہ اسے اللہ کے لئے وقف کر دیں گی، اور اسے شرک وعبادتِ غیر اللہ سے محفوظ رکھیں گی، اور اللہ سے یہ دعا کی تھی کہ وہ ان کی اس نذر کو قبول فرمائے : {فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ إِنَّکَ أَنتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم} [آل عمران: ۳۵] (میری اس نذر کو قبول فرمائیے بلاشبہ آپ بہت سننے والے اور جاننے والے ہیں)۔

پھر جب ان کی توقع کے برخلاف ان کے یہاں بیٹا نہ ہو کر بیٹی ہوئی تو بھی انہوں نے اپنی نذر پوری کی اور اللہ سے یہ دعا کی کہ اللہ اس بچی کی ہر برائی سے حفاظت کرے : {وإِنِّيْ أُعِيْذُهَا بِکَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْم} [آل عمران: ۳٦] (اور میں اسے اور اس کی ذریت کو شیطان رجیم سے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں)۔

اور حضرت عیسیٰؑ کی والدہ حضرت مریم بنت عمران کو قرآن نے پاک دامنی، اللہ کے تئیں فروتنی اور اسکے کلمات کی تصدیق کی بابت ایک نمونہ کے طور پر پیش کیا ہے، {وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِيْ أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِن رُّوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِکَلِمَاتِ رَبِّهَا وَکُتُبِهِ وَکَانَتْ مِنَ الْقَانِتِيْن} [تحریم: ۱۲] (اور [اللہ نے مثال بیان فرمائی] مریم بنت عمران [کی] جس نے اپنے ناموس کی حفاظت کی، پھر ہم نے اپنی طرف سے اس میں جان پھونک دی اور اس نے اپنے رب کی باتوں اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ عبادت گزاروں میں سے تھی)۔

عورت بطور بیٹی

زمانۂ جاہلیت میں عرب لڑکیوں کی پیدائش کو منحوس سمجھتے تھے اور اس سے تنگ دل ہوتے تھے، یہاں تک کہ جب ایک باپ کو بیٹی کی خوشخبری دی گئی تو اس نے کہا : ''بخدا یہ کوئی اچھی اولاد نہیں ہے، اس لئے کہ اس کی مدد آہ وزاری ہے اور اس کا حسن سلوک چوری''۔

یہ شخص یہ کہنا چاہتا تھا کہ یہ بچی اپنے باپ اور اپنے گھر والوں کی مدد بزور بازو نہیں کرسکتی، زیادہ سے زیادہ یہی ہے کہ رودھو اور چیخ چلا لے گی، اور اگر باپ یا اہل خانہ کے ساتھ حسن سلوک کرے گی تو بس اس طرح کہ شوہر کا مال اپنے گھر والوں کے لئے چوری کرلائے گی۔

آباء واجداد کے زمانہ سے چلی آرہی روایت کی رو سے باپ کو اس بات کی اجازت حاصل تھی کہ وہ موجود یا متوقع فقر وفاقہ کے ڈر سے یا اس کی وجہ سے لاحق ہونے والے عار کی وجہ سے اسے زندہ درگور کردے۔

اس سلسلے میں قرآن مجید ان پر نکیر کرتے ہوئے اور انہیں تنبیہ کرتے ہوئے کہتا ہے : **{وَإِذَا الْمَوْؤُودَةُ سُئِلَتْ○ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ}**[تکویر :۸–۹] (اور جب کہ درگور کی گئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ اسے کس گناہ میں قتل کیا گیا تھا)۔

لڑکیوں کی پیدائش کے وقت ان کے باپوں کی کیفیت قرآن مجید نے یوں بیان کی ہے{ :**وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالأُنثَى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدّاً وَهُوَ كَظِيمٌ○ يَتَوَارَى مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَى هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ أَلاَ سَاء مَا يَحْكُمُونَ**}[نحل : ۵۸–۵۹] (ان میں سے جب کسی کو لڑکی ہونے کی خبر دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ ہوجاتا ہے،

اور دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے، اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے۔ سوچتا ہے کہ کیا اس کو ذلت کے ساتھ لئے ہوئے ہی رہے یا اسے مٹی میں دبا دے، آہ کیا ہی برے فیصلے کرتے ہیں)۔

بعض قدیم قوانین باپ کو یہ حق دیتے تھے کہ وہ جب چاہے اپنی بیٹی بیچ دے، حمورابی کا قانون جیسے کچھ اور قوانین کی رو سے اگر باپ کسی اور شخص کی بیٹی کو قتل کر دے تو وہ اس شخص کو اپنی بیٹی دے سکتا تھا تا کہ وہ شخص اس کی بیٹی کو چاہے تو قتل کرے یا چاہے تو باندی بنا کے رکھے۔

پھر اسلام آیا اور اس نے بیٹے کی طرح بیٹی کو بھی اللہ کا عطیہ اور اس کی ایک نعمت قرار دیا جس سے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے نوازتا ہے :{يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثاً وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الذُّكُورo أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَاناً وَإِنَاثاً وَيَجْعَلُ مَن يَشَاءُ عَقِيماً إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ }[شوریٰ :۴۹–۵۰] (جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے، یا انہیں جمع کر دیتا ہے، بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی، اور جسے چاہے بانجھ کر دیتا ہے، وہ بڑے علم والا اور کامل قدرت والا ہے)۔

قرآن مجید نے اپنے بیان کردہ قصوں میں یہ بھی بتایا ہے کہ بعض لڑکیاں بہت سے لڑکوں کے مقابلہ میں زیادہ فائدہ بخش اور نیک نام ہوتی ہیں، جیسے کہ ہم حضرت مریم بنت عمران کے قصہ میں دیکھتے ہیں، ان کو اللہ نے منتخب کر لیا تھا، پاکیزہ بنایا تھا اور تمام جہان کی عورتوں پر انہیں فضیلت دی تھی، جب وہ شکم مادر میں تھیں تو ان کی والدہ کی یہ تمنا تھی کہ ان کے یہاں ایک بیٹا ہے جو ہیکل کی خدمت کے لئے وقف ہو، اور صالحین میں سے ہو{ :إِذْ قَالَتِ امْرَأَةُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّراً فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ o فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّيْ وَضَعْتُهَا أُنثَى وَاللّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالأُنثَى وَإِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وِإِنِّيْ أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ

الرَّجِيْمِ ٥ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنبَتَهَا نَبَاتاً حَسَناً} [آل عمران: ۳۵—۳۷]

(جب عمران کی بیوی نے کہا کہ اے میرے رب! میرے پیٹ میں جو کچھ ہے، اسے میں نے تیرے نام آزاد کرنے کی نذر مانی، تو میری طرف سے قبول فرما! یقینا تو خوب سننے والا اور پوری طرح جاننے والا ہے۔ جب بچی کو جنا تو کہنے لگیں کہ پروردگار! مجھے تو لڑکی ہوئی، اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ کیا اولاد ہوئی ہے، اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں، میں نے اس کا نام مریم رکھا، میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ بس اسے اس کے پروردگار نے اچھی طرح قبول فرمایا اور اسے بہترین پرورش دی)۔

قرآن مجید نے ان سخت دلوں پر سخت حملہ کیا ہے جو کہ اپنی اولاد (لڑکوں یا لڑکیوں) کو قتل کرتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے : {قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوا أَوْلاَدَهُمْ سَفَهاً بِغَيْرِ عِلْمٍ}[انعام: ۱۴۰] (وہ لوگ نقصان میں ہیں جنھوں نے اپنی اولاد کو بے وقوفی میں بغیر علم کے قتل کیا) ایک اور جگہ پر ارشاد ہوتا ہے : {وَلاَ تَقْتُلُوا أَوْلادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُم إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئاً كَبِيْراً}[بنی اسرائیل :۳۱] (اور اپنی اولاد کو فقر وفاقہ کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم تم کو اور ان کو رزق دیتے ہیں، ان کا قتل کرنا زبردست گناہ ہے)۔

رسول اسلام نے ہر اس باپ کی جزا جنت بتائی ہے جو اپنی بیٹیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے، ان کی تربیت وتعلیم کی راہ میں آنے والی پریشانیوں کو خندہ پیشانی سے قبول کرے، ان کے سلسلے میں اللہ کے احکام کا خیال رکھے، یہاں تک کہ وہ بڑی ہوجائیں یا خود اس کی وفات ہوجائے، آپ ﷺ نے ایسے شخص کا ٹھکانہ جنت میں اپنے پڑوس میں بتایا ہے۔

امام مسلم نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :
جس نے دو بچیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بڑی ہوگئیں تو قیامت کے دن وہ میرے اتنے قریب ہوگا، یہ کہہ کر آپ نے اپنی انگلیاں ملا کر دکھائیں''۔ ترمذی نے یہ روایت یوں ذکر کی

ہے کہ : جس نے دو بچیوں کی پرورش کی میں اور وہ جنت میں اس طرح داخل ہوں گے یہ کہہ کر آپ نے اپنی شہادت والی اور اس کی بغل کی انگلی سے اشارہ کیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے آپ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ : ''جس مسلمان کی بھی دو بیٹیاں ہوں اور جب تک وہ اس کے ساتھ رہیں یہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو اللہ اسے جنت میں داخل کر دے گا''۔ ۴۰؎

بعض احادیث میں داخلۂ جنت کا یہ ثواب اس بھائی کے لئے بتایا گیا ہے جو اپنی دو یا دو سے زائد بہنوں کی کفالت کرے، جب کہ کچھ اور احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ثواب ہر اس شخص کو ملے گا جو کسی لڑکی کے ساتھ (خواہ وہ ایک ہی ہو) حسن سلوک کرے۔

حضرت ابوہریرہ ؓ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ : ''جس کی تین بیٹیاں ہوں اور وہ ان کی خاطر سارے سرد و گرم برداشت کرے تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وجہ سے اس کو جنت میں داخل کریں گے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا یہ ثواب دو لڑکیوں والے کو بھی ملے گا آپ نے فرمایا ہاں، ایک اور شخص نے دریافت کیا کہ کیا ایک لڑکی والے کو بھی یہ ثواب ملے گا آپ نے فرمایا ہاں ایک لڑکی والے کو بھی''۔ ۴۱؎

حضرت ابن عباس ؓ نے آپ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے : ''جس شخص کی ایک بیٹی ہو، وہ اسے نہ زندہ درگور کرے، نہ بے عزت کرے اور نہ اپنے لڑکوں کو اس پر ترجیح دے تو اللہ

۴۰؎ یہ حدیث امام بخاری نے الادب المفرد (۷۷) میں، ابن ابی شیبہ (۵۵۱/۸) اور امام احمد نے نقل کی ہے، شیخ احمد محمد شاکر (۲۱۰۴) نے اسے صحیح قرار دیا ہے، ابن ماجہ (۳۶۷۰) نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے، ہیثمی نے مجمع الزوائد میں لکھا ہے کہ اس کی سند میں شرحبیل بن سعد ہیں، جن کی ابن حبان نے توثیق کی ہے، اور متعدد علماء نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے، یہ روایت ابن حبان نے اپنی صحیح (الاحسان، جلد ۷: نمبر ۲۹۴۵) میں نقل کی ہے، اس کے محقق نے لکھا ہے کہ یہ سند ضعیف ہے لیکن اپنے شواہد کی بنا پر حسن کا درجہ حاصل کر لیتی ہے، حاکم (۱۷۸/۴) نے اسے نقل کر کے اس کو صحیح کہا ہے، جب کہ ذہبی نے ان کی اس رائے سے اختلاف کیا ہے، اس کے علاوہ یہ حدیث مسند ابو یعلی (۲۵۷۱) میں بھی ہے۔

۴۱؎ حاکم (۱۷۶/۴) نے اسے نقل کر کے صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔

اسے جنت میں داخل کردے گا''۔ [۴۲]

حضرت عائشہ کی متفق علیہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے :
''جسے لڑکیوں کے ذریعہ آزمایا جائے، اور وہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرے، تو یہ بیٹیاں اس کے لئے جہنم سے حفاظت کا ذریعہ بنیں گی''۔ [۴۳]

ان صحیح وصریح حدیثوں اور مکرر ومؤکد خوشخبریوں کی روشنی میں بیٹی کی ولادت کو بوجھ اور منحوس نہیں سمجھا جا سکتا، بلکہ ان کے مطابق بیٹی لائق شکر نعمت اور ایسی رحمت ہے جس کی تمنا و طلب کی جانی چاہئے، اس لئے کہ یہ اللہ کے فضل اور اس کے زبردست ثواب کا سبب ہے۔

اپنی ان تعلیمات کے ذریعہ اسلام نے لڑکی کو زندہ درگور کرنے کی روایت ہمیشہ کے لئے ختم کردی، بیٹی کے لئے باپ کے دل میں زبردست گنجائش پیدا ہوگئی، جس کی ایک جھلک ہمیں رسول اللہ ﷺ کے حضرت فاطمہ کے سلسلے میں ان ارشادات سے ملتی ہے : ''فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے، جس نے اسے غصہ دلایا گویا اس نے مجھے غصہ دلایا''۔ [۴۴]، ''فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے، جس بات سے اس کو ناگواری ہوتی ہے مجھے بھی ہوتی ہے، اور جس سے اسے خوشی ہوتی ہے مجھے بھی ہوتی ہے'' [۴۵]، ''میری بیٹی میرے جسم کا ایک حصہ ہے، جو چیز اسے الجھن میں ڈالتی ہے مجھے بھی ڈالتی ہے، جس چیز سے اسے تکلیف ہوتی ہے مجھے بھی ہوتی ہے'' [۴۶]۔

---

۴۲ ابوداؤد: ۵/ ۵۱۴۶، حاکم: ۴/ ۱۷۷، موخرالذکر نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔

۴۳ اللؤلؤ والمرجان فیما اتفق علیہ الشیخان (۱۶۸۸)۔

۴۴ حضرت مسور بن مخرمہ کی یہ روایت امام بخاری نے نقل کی ہے، ملاحظہ ہو: صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ (۴۱۸۸)۔

۴۵ یہ حدیث بھی حضرت مسور کی ہی روایت کردہ ہے، جسے احمد، طبرانی اور حاکم نے نقل کیا ہے، ملاحظہ ہو حوالۂ سابق (۴۱۸۹)، نیز مسند احمد: ۴/ ۳۲۳، ۳۳۲، طبرانی ۲۰: / ۲۵، حاکم: ۳/ ۱۵۸، حاکم نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔

۴۶ یہ حدیث صحاح ستہ میں سے ہر ایک میں منقول ہے، ملاحظہ ہو: مختصر السنن از منذری (۱۹۸۷)۔

اسلام کی اس تعلیم کا اثر ہمیں ادب اسلامی میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے، مثلاً ایک شاعر کہتا ہے :

لولا بنيات كزغب القطا ‏ رددن من بعض إلىٰ بعض
لكان لي مضطرب واسع ‏ في الأرض ذات الطول والعرض
وإنما أولادنا بيننا ‏ اكبادنا تمشي علىٰ الارض
ان هبت الريح على بعضهم ‏ امتنعت عيني عن الغمض

(اگر میری متعدد کمزور اور نازک بیٹیاں نہ ہوتیں تو میں پوری دنیا میں گھومتا پھرتا، ہماری اولاد ہمارے چلتے پھرتے کلیجے ہیں، ان میں سے کسی کو اگر کچھ بھی ہو گیا تو میں سکون سے نہ رہوں گا)۔

اسلام کی نگاہ میں بیٹی پر باپ کے اختیارات تادیب، خبر گیری اور دینی و اخلاقی تعلیم کی حد تک بالکل ویسے ہیں جیسے کہ بیٹوں پر ہوتے ہیں، اس لئے بیٹی کے سات سال کا ہونے پر باپ اسے نماز کا حکم دے گا، دس سال کی عمر پوری ہونے پر نماز نہ پڑھنے کی صورت میں پٹائی کرے گا، اور اسی عمر میں اس کا بستر اس کے بھائیوں سے الگ کر دے گا، نیز لباس، زینت، گھر سے باہر نکلنے اور گفتگو میں اسلامی تعلیمات کا پابند کرے گا۔

بیٹی کی شادی تک اس کا نفقہ باپ پر دیانۃً وقضاء واجب ہے۔

کسی بھی صورت میں باپ کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ اسے دوسرے کے ہاتھ فروخت کرے یا کسی اور طریقہ سے دوسرے کو اس کا مالک بنائے۔ اس لئے کہ اسلام نے آزاد مرد اور عورت دونوں کی بیع کو بہرصورت باطل قرار دیا ہے۔

اگر کسی کی بیٹی کسی اور شخص کی باندی ہو تو باپ کے خریدتے ہی یا کسی اور طریقہ سے مالک ہوتے ہی بیٹی اسلامی قانون کی رو سے آزاد ہو جائے گی، اور اس میں باپ کی مرضی کا

دخل نہ ہوگا۔

بیٹی کے پاس اگر کچھ مال ہوتو باپ بس معروف طریقہ سے اس کی نگہبانی کرے گا ۔۔۔۔۔۔۔اس کو کوئی اور حق حاصل نہیں ہوگا، اسی طرح اسے یہ بھی حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی کسی شخص سے اس شرط پر کرے کہ دوسرا اس سے اپنی بیٹی کو بدلے میں منسوب کرے گا، اس کو ہماری فقہی اصطلاح میں ''نکاح شغار'' کہتے ہیں، اس کی ممانعت اس لئے ہے کہ ایسے نکاح میں مہر نہیں ہوتا ہے، اور مہر بیٹی کا حق ہے، باپ کا نہیں۔

اسی طرح باپ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنی بالغ بیٹی کی شادی کسی ایسے شخص کے ساتھ کرے جس کے ساتھ شادی کرنا وہ پسند نہ کرتی ہو، بیٹی کے رشتہ میں بیٹی کی رائے لینا باپ پر لازم ہے کہ اس شخص کے ساتھ رشتہ بیٹی کو قبول ہے یا نہیں، اگر بیٹی شوہر دیدہ ہوتو یہ لازم ہے کہ بیٹی واضح الفاظ میں اجازت دے، اور اگر بیٹی غیر شوہر دیدہ اور شرمیلی ہوتو سکوت کافی ہوگا، اور اس کے سکوت کو ہی رضامندی کی نشانی سمجھا جائے گا، اگر لڑکی منع کردے تو باپ کو ایسی جگہ اس کی شادی کرنے کا حق نہیں ہے جہاں اس کی مرضی نہ ہو۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ: ''بیوہ یا مطلقہ کی شادی اس سے مشورہ کئے بغیر اور غیر شوہر دیدہ عورت کی شادی اس کی اجازت کے بغیر نہیں کی جائے گی، لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس کی اجازت کیسے لی جائے گی، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی خاموشی بھی اس کی اجازت ہے''۔[۴۷]

صحیحین میں ہی حضرت عائشہ کی یہ روایت بھی مذکور ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا عورتوں سے ان کے رشتہ کی بابت اجازت لی جائے گی؟ آپ نے فرمایا ہاں! میں نے عرض کیا کہ غیر شوہر دیدہ عورت تو شرم کی وجہ سے خاموش رہتی ہے، آپ نے فرمایا اس کی

۴۷۔ متفق علیہ، ملاحظہ ہو اللؤلؤ والمرجان (۸۹۵)

خاموشی ہی اس کی اجازت ہے [۴۸]۔ اسی لئے علماء یہ کہتے ہیں کہ غیر شوہر دیدہ عورت کو یہ بات بتادینی چاہئے کہ اس کی خاموشی اجازت کے قائم مقام ہے۔

حضرت خنساء بنت الانصاریہ سے روایت ہے کہ ان کے والد نے ان کی شادی جب کہ وہ شوہر دیدہ تھیں ایک ایسی جگہ کردی جوان کو پسند نہیں تھی، وہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں (اور آپ کو پوری بات بتائی) تو آپ ﷺ نے ان کے نکاح کو غلط قرار دیا۔ [۴۹]

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک باکرہ (غیر شوہر دیدہ) لڑکی نے رسول اکرم ﷺ سے آکر عرض کیا کہ اس کے والد نے اس کی شادی کردی حالانکہ وہ راضی نہ تھی تو آپ ﷺ نے اس لڑکی کو اختیار دے دیا کہ چاہے تو اس شادی کو برقرار رکھے اور چاہے تو ختم کردے۔ [۵۰]

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ باکرہ لڑکی سے لازمی طور پر اجازت لینے کے سلسلہ میں والد بھی دوسروں کے ہی مثل ہے، صحیح مسلم کی ایک روایت میں تو اس کی تصریح ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''باکرہ سے اس کا والد اجازت لے گا''۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ایک لڑکی ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا کہ: میرے والد نے میری شادی اپنے بھتیجے سے کردی ہے تاکہ میرے ذریعہ اس کی بے حیثیتی دور کریں، اور مجھے یہ رشتہ پسند نہیں ہے، حضرت عائشہ نے اس سے کہا، تھوری دیر بیٹھ جاؤ، تاکہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئیں، تو میں آپ کے سامنے یہ مسئلہ رکھوں، (چنانچہ ایسا ہی ہوا تو) آپ ﷺ نے اس لڑکی کے والد کو بلایا او پھر لڑکی کو اختیار دیا کہ

۴۸۔ متفق علیہ، ملاحظہ ہو اللؤلؤ و المرجان (۸۹۶)۔

۴۹۔ سوائے صحیح مسلم کے یہ حدیث صحاح ستہ میں سے تمام کتابوں میں نقل کی گئی ہے۔

۵۰۔ مسند احمد (۲۴۶۹) شیخ شاکر نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، ابوداؤد (۲۰۹۶)، ابن ماجہ (۱۸۵۷) اور دارقطنی، جلد سوم (۵۶)۔

چاہے تو یہ شادی برقرار رکھے اور چاہے تو نہیں، تو اس لڑکی نے یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے والد نے جو کیا میں اسے صحیح قرار دیتی ہوں، میں تو بس یہ جاننا چاہتی تھی کہ عورتوں کو بھی رشتہ کی بابت کچھ حق حاصل ہے یا نہیں؟[۵۱]۔

ان احادیث کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ باکرہ (غیر شوہر دیدہ) اور ثیبہ (شوہر دیدہ) کی اجازت عقد کی صحت کے لئے شرط ہے اگر باپ یا ولی ثیبہ کی شادی اس کی اجازت کے بغیر کرتے ہیں تو ایسا عقد باطل ہے، جیسا کہ خنساء بنت خدام کے قصہ میں ہمیں نظر آتا ہے ـــــ اور باکرہ کو ایسی صورت میں اختیار ہے چاہے تو ایسی شادی کو باقی رکھے اور چاہے تو انکار کردے، اس کے انکار کردینے کی صورت میں عقد باطل ہوجائے گا جیسے کہ حضرت عائشہ کی حدیث میں بیان کئے گئے باکرہ کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے۔ [۵۲]۔

اسلام کی اچھی تعلیمات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے بیٹی کی شادی میں ماں سے مشورہ کرنے کا بھی حکم دیا ہے، تاکہ شادی تمام متعلقہ افراد کی رضامندی سے ہو، حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''عورتوں سے ان کی بیٹیوں کے رشتہ میں مشورہ کرو۔'' [۵۳]۔

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے امام خطابی نے اپنی کتاب ''معالم السنن'' میں بڑے قیمتی کلمات تحریر فرمائے ہیں، ان کا ذیل میں نقل کردینا مناسب ہے، انہوں نے تحریر فرمایا:

''لڑکیوں کی شادی کے سلسلے میں ماؤں سے مشورہ اس لئے نہیں لیا جاتا ہے کہ وہ عقد

۵۱۔ سنن نسائی، کتاب النکاح، باب البکر یزوجھا ابوھا وھی کارھة، ۶/ ۸۶—۸۷

۵۲۔ ملاحظہ ہو نیل الاوطار: ۶/ ۲۵۴—۲۵۶، مطبوعہ دارالجیل۔

۵۳۔ مسند احمد: (۴۹۰۵) تحقیق احمد شاکر، ابوداؤد (۲۰۹۵)، اس کی سند میں ایک راوی مجھول ہے، لیکن متعدد احادیث اس کی شاہد ہیں۔

نکاح میں کچھ عمل دخل رکھتی ہیں، بلکہ ایسا ان کے طیب خاطر اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی بنیاد پر ہے، اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ رشتہ کے قائم رہنے اور لڑکیوں و ان کے شوہروں کے درمیان الفت پائے جانے کے زیادہ امکانات اسی صورت میں ہیں جب کہ مائیں ان کے رشتوں سے راضی و مطمئن ہوں، اگر اس کے برعکس ہوا تو ایسا ہوسکتا ہے کہ مائیں بیٹیوں کو ان کے شوہروں کے خلاف بھڑکائیں اور رشتوں میں دراڑ ڈالیں، اور لڑکیوں کا رجحان اپنی ماؤں کی جانب ہی زیادہ ہوتا ہے، وہ ان ہی کی باتیں زیادہ قبول کرتی ہیں، انہی باتوں کی وجہ سے بیٹیوں کی شادی میں ماؤں کا مشورہ بہتر ہے۔ واللہ اعلم''۔

آگے چل کر مزید تحریر فرماتے ہیں : ''اوپر ہم نے جو ذکر کیا ہے ہوسکتا ہے کہ ایسا اس کے علاوہ ایک اور وجہ سے ہو، اور وہ یہ ہے کہ عورت کو اپنی بیٹی کی کچھ ایسی باتیں بھی معلوم ہوتی ہیں جن کے ساتھ نکاح مناسب نہیں ہے، مثلاً اسے کوئی ایسا مرض لاحق ہو جو نکاح کے حقوق ادا کرنے سے مانع ہو۔ رسول اکرم ﷺ کے اس ارشاد کو بھی اس روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے کہ ''باکرہ کی شادی اس کی اجازت لے کر ہی ہوگی، اور اس کی اجازت خاموشی ہے'' اس پہلو سے سوچیے تو اس حدیث میں خاموشی کو اجازت قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ ایسی لڑکی زبان سے صراحتاً اجازت دینے اور شادی کی رغبت ظاہر کرنے میں شرم کرتی ہے، اس لئے اس کے سکوت کو اس بات کی دلیل مان لیا جائے گا کہ وہ کسی ایسی بیماری میں مبتلا نہیں ہے جو جماع سے مانع ہو، یا اس کے ساتھ کوئی ایسا خفیہ مسئلہ نہیں ہے جس کے ساتھ رہتے نکاح مناسب نہ ہو۔ واللہ اعلم'' [۵۴]۔

اس موقع پر ہم یہ بھی کہنا مناسب سمجھتے ہیں کہ ماں کو بسا اوقات اپنی بیٹی کا یہ راز بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دل کسی اور کی جانب مائل ہے، اب اگر اس کی زندگی میں پہلے سے کوئی شخص

۵۴۔ ملاحظہ ہو: مختصر السنن للمنذری، معالم السنن للخطابی، تهذیب السنن لابن القیم: ۳/۳۹، تحقیق احمد شاکر و محمد حامد الفقی۔

آ گیا ہے اور وہ کفو بھی ہے تو پھر اسی کو ترجیح حاصل ہونی چاہئے، جیسے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”دو محبت کرنے والوں کے لئے نکاح سے بہتر کچھ نہیں ہے“۔ ۵۵۔

ایک طرف جہاں باپ کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ بیٹی کی مرضی کے خلاف کسی سے اس کی شادی کرے، تو دوسری طرف اس کا یہ حق ہے کہ بیٹی اپنی شادی باپ کی اجازت کے بغیر نہیں کرسکتی، حضرت ابوموسیٰ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ ”ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا“ ۵۶۔ حضرت عائشہ کی روایت میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے : ”جس عورت نے اپنا نکاح بغیر اولیاء کی اجازت کے کیا اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے“۔ ۵۷۔

امام ابوحنیفہؒ اور ان کے متبعین کے نزدیک لڑکی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ چاہے تو اپنے ولی اور والد کی اجازت کے بغیر اپنی شادی کرے، اس شرط کے ساتھ کہ شوہر کفو ہو، ان حضرات کے نزدیک یہ حدیث ثابت نہیں ہے، اس لئے کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر نکاح کرنے کی نسبت عورت کی جانب کی گئی ہے {فَلاَ تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ}[بقرہ: ۲۳۲] (ان کو اس بات سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کریں)، {حَتَّىَ تَنكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ}[بقرہ: ۲۳۰] (یہاں تک کہ وہ عورت اس کے علاوہ کسی اور شوہر سے نکاح کرے)، {فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ}[بقرہ: ۲۳۴] ([جب مدت ختم کرلیں] تو جو معروف کے مطابق وہ اپنے لئے کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں)۔

۵۵۔ حضرت ابن عباس کی روایت سے رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ابن ماجہ (۱۸۴۷)، حاکم (۲/۱۶۰)، بیہقی (۷/۷۸) اور طبرانی وغیرہ نے نقل کیا ہے، حاکم نے اسے صحیح اور مسلم کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے، ذہبی نے ان کی اس رائے سے اتفاق کیا ہے، البانی نے بھی اس حدیث کو **سلسلة الاحاديث الصحيحة** (۶۲۴) میں نقل کیا ہے۔

۵۶۔ ابوداؤد (۲۰۸۵)، ترمذی (۱۱۰۱)، ابن ماجہ : (۱۸۸۱)، مسند احمد: ۴/ ۳۹۴، ۴۱۳، ۴۱۸۔ اس حدیث پر کچھ کلام بھی کیا گیا ہے، جس کا تذکرہ **مختصر السنن** میں منذری نے اور **تهذيب السنن** میں ابن قیم نے کیا ہے، ملاحظہ ہو حدیث ۲۰۰۰:۔

۵۷۔ ابوداؤد (۲۰۸۳، ۲۰۸۴) ترمذی (۱۱۰۲)، ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ ابن ماجہ (۱۷۸۹)۔

ان اوران کےعلاوہ متعدد آیات میں نکاح کی نسبت عورتوں کی جانب کی گئی ہے، اور عورتوں کواس سے روکنے سے منع کیا گیا ہے، اس لئے کہ یہ خالصۃً عورت کا حق ہےاورعورت عقود کوانجام دینے کی صلاحیت رکھتی ہے، اس لئے اس کا خود نکاح کرنا صحیح ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے بغیر ولی کی اجازت کے عورت کا نکاح صحیح ہونے کے لئے شرط یہ لگائی ہے کہ وہ شادی کفو میں کرے، ورنہ اولیاء کوحق اعتراض حاصل ہوگا۔

اگر کوئی عورت اپنی شادی ولی کی عدم موجودگی میں ولی کی اجازت سے کرے تو بعض فقہاء ایسے نکاح کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اور جمہور کے نزدیک ولی کا موجود رہنا بھی ضروری ہے، ورنہ نکاح باطل ہوگا۔

علامہ ابن قدامہ تحریر فرماتے ہیں کہ :اگرایسےعقد کوحاکم صحیح قرار دے یا پھرایساعقد کرانے والاخود حاکم ہی ہوتو اسے اس عقد کوختم کرنے کا حق حاصل نہیں ہے، ابن قدامہ کہتے ہیں : قاضی کی اس سلسلہ میں ایک الگ رائے یہ ہے کہ حاکم ایسے عقد کوختم کرسکتا ہے، اس لئے کہ اس نے عقد کوصحیح قرار دے کر یا خودعقد کرا کرنص کے خلاف عمل کیا ہے،لیکن پہلا قول بہتر ہے، اس لئے کہ یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے، اوراس میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔لہٰذا اسے عقد کوختم کرنے کا حق حاصل نہیں ہے، بالکل ویسے ہی جیسے اگر حاکم کسی پڑوسی کے لئے شفعہ کا فیصلہ کردے اورحدیث نبوی ''لانکاح إلا بولی'' (ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا) مؤول ہے، اس کی صحت میں بھی کلام ہے، اورمتعدد نصوص کے الفاظ اس سے معارض ہیں۔ ۵۸۔

یہ کلام ابن قدامہ کے زبردست تفقہ اوران کے انصاف کی دلیل ہے۔

لیکن بہرحال بہتر اور مناسب طریقۂ کار یہ ہے کہ شادی تمام متعلقہ افراد (باپ، ماں اور بیٹی) کی مرضی سے ہو، تاکہ کسی بھی طرح کے قیل وقال یا لڑائی جھگڑے کی گنجائش نہ رہے، کہ اللہ

۵۸۔ المغنی لابن قدامۃ: ۹/ ۳۴۶، ۳۴۷۔ مطبوعہ ہجر بتحقیق ڈاکٹر ترکی وڈاکٹر حلو۔

سبحانہ وتعالی نے شادی کو باہمی محبت کا ذریعہ بنایا ہے۔

باپ سے یہ مطلوب ہے کہ وہ اپنی بیٹی کے لئے ایسے نیک شخص کا انتخاب کرے جو اسے خوش رکھے اور خود بھی خوش رہے، اس سلسلے میں اسے اصل اہمیت لڑکے کی اخلاقی و دینی سطح کو دینی چاہئے، مال و دولت کو نہیں، اسی طرح اگر کفو کا رشتہ فراہم ہو تو بیٹی کی شادی میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے : ''جب تمہارے پاس کسی ایسے شخص کا رشتہ آئے جس کے اخلاق اور دین سے تم راضی ہو تو اس سے شادی کر دو، اگر ایسا نہیں کرو گے تو زمین پر زبردست فتنہ وفساد برپا ہوگا۔ ''۵۹ ۔

اس طرح اسلام نے ہر والد کو یہ بتایا ہے کہ اس کی بیٹی سب سے پہلے ایک ''انسان'' ہے۔ اس کی خواہش اپنے ہی جیسے ایک انسان کی ہوتی ہے، وہ کوئی ''سامان'' نہیں ہے جسے زیادہ پیسے دینے والے کے سپرد کر دیا جائے، جیسے کہ آج بھی بہت سے جاہل اور لالچی والدوں کا حال ہے، حدیث نبوی ہے : ''یہ بات عورت کی خیر و برکت کی نشانی ہے کہ اس کا رشتہ سہولت سے ہو، اس کا مہر مناسب ہو اور اس کے یہاں ولادت آسان ہو''۔ ۶۰ ۔

---

۵۹ ۔ ترمذی (۱۰۸۴)، ابن ماجہ (۱۹۶۷) اور حاکم (۲ / ۱۶۵) نے یہ حدیث حضرت ابوہریرہ کی روایت کے بطور ذکر کی ہے، حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی تاکید کی ہے۔ ترمذی (۱۰۸۵) اور بیہقی (۷ / ۸۲) نے اسے ابوحاتم المزنی کی روایت کے طور پر نقل کیا ہے، جب کہ ابن عدی نے اسے ابن عمر کی سند سے نقل کیا ہے۔ **صحیح الجامع الصغیر و زیادتہ** (۲۷۰) میں اس کو حسن قرار دیا گیا ہے۔

۶۰ ۔ مسند احمد: ۶ / ۷۷، ابن حبان: ۴۰۹۵، حاکم ۲ / ۱۸۱ نے اسے صحیح مسلم کی شرط کے مطابق کہا ہے، ذہبی نے ان کی تائید کی ہے، اس کی راوی حضرت عائشہ ہیں، **صحیح الجامع الصغیر** (۲۲۳۵) میں اسے صحیح کہا گیا ہے۔

عورت بطور بیوی

بعض ادیان ومذاہب عورت کو ایسی گندی وشیطانی مخلوق قرار دیتے تھے، جس سے دور رہنا واجب ہو، اسی لئے یہ ادیان رہبانیت کی زندگی گزارنے اور بے شادی شدہ رہنے کی تاکید کرتے تھے۔

کچھ اور ادیان بیوی کو صرف شوہر کی لذت اندوزی کا ذریعہ، اس کا کھانا پکانے والی یا گھریلو خادم ہی شمار کرتے تھے۔

پھر جب اسلام آیا تو اس نے رہبانیت کو باطل قرار دیا، بے شادی شدہ زندگی گزارنے سے روکا، شادی کی ترغیب دی اور رشتۂ ازدواج کو اس کائنات میں موجود آیات خداوندی میں سے ایک شمار کیا{ :وَمِنْ آیَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَکُم مِّنْ أَنْفُسِکُمْ أَزْوَاجاً لِّتَسْکُنُوا إِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَکُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِیْ ذَلِکَ لَآیَاتٍ لِّقَوْمٍ یَتَفَکَّرُونَ} [روم : ۲۱] (اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے آرام پاؤ اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کردی یقینا غور وفکر کرنے والوں کے لئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں)۔

جب صحابہ میں سے بعض حضرات نے یہ ارادہ کیا کہ وہ غیر شادی شدہ رہیں گے، اپنے آپ کو مکمل طور پر عبادت کے لئے فارغ کرلیں گے، دن میں روزہ رکھیں گے، راتوں کو اللہ کے حضور نوافل پڑھتے گزاریں گے اور عورتوں سے مکمل طور پر کنارہ کشی کرلیں گے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان پر یہ کہتے ہوئے نکیر فرمائی : ''کیا تم لوگ یہ باتیں کررہے تھے؟ سنو! میں

تم میں سے سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا، اور متقی ہوں، لیکن میں روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں، راتوں کو نوافل پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، اور جو کوئی میرے راستہ سے ہٹے گا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں''۔ ۶۱ ؎

اسلام کی نگاہ میں نیک بیوی (ایمان اور تقوے) کے بعد انسان کا سب سے قیمتی دنیوی اثاثہ ہے، اسلام نے ایسی بیوی کو خوش بختی کا ایک نشان قرار دیا ہے، ایک حدیث میں رسول اکرم ﷺ کا حضرت عمر سے فرمان نقل کیا گیا ہے کہ : ''کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ انسان کا حاصل کردہ سب سے بہتر اثاثہ کیا ہے؟ وہ ایسی صالح خاتون ہے جسے اس کا شوہر دیکھے تو وہ اسے خوش کردے، شوہر حکم دے تو وہ اطاعت کرے اور شوہر کی عدم موجودگی میں اس کے متعلقات کی حفاظت کرے''۔ ۶۲ ؎

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا گیا ہے کہ دنیا عارضی سامان ہے اور اس کا بہترین سامان صالح خاتون ہے۔ ۶۳ ؎

ایک اور موقعہ پر آپ نے فرمایا : اللہ جسے نیک خاتون سے نوازتا ہے تو گویا اس کے نصف دین کے سلسلہ میں اس کی مدد کرتا ہے، اب اسے نصف ثانی میں اللہ کا پاس رکھنا چاہئے۔ ۶۴ ؎

---

۶۱ ؎ حضرت انس کی یہ روایت متفق علیہ ہے، اللؤلؤ والمرجان ۲ / ۸۸۵۔

۶۲ ؎ حضرت ابن عباس کی روایت سے یہ حدیث ابوداؤد (۲ / ۱۶۶۴) اور حاکم (۲ / ۳۳۳) نے نقل کی ہے، مؤخر الذکر نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔

۶۳ ؎ مسلم (۱۴۶۷)

۶۴ ؎ حاکم (۲ / ۱۶۱) نے یہ حدیث حضرت انس کی روایت سے نقل کی ہے، اور اسے صحیح قرار دیا ہے، ذہبی نے ان کی اس رائے سے اتفاق کیا ہے، الترغیب والترہیب میں منذری نے اس رائے کی تصویب کی ہے، ملاحظہ ہو: المنتقی (۱۱۰۱)، صاحب منتقی نے طبرانی کا بھی حوالہ دیا ہے، ہیثمی نے بھی مجمع الزوائد (۴ / ۲۷۲) میں طبرانی کا حوالہ دیا ہے، لیکن وہ حضرت انس سے اس حدیث کو روایت کرنے والے عبدالرحمان کو نہیں پہچان سکے ہیں، جب کہ حاکم نے ان کا تعارف کراتے ہوئے انہیں ابن عبداللہ الازرقی لکھا ہے اور کہا ہے کہ وہ مدنی، ثقہ اور مامون ہیں، ذہبی نے ان کی اس رائے سے اتفاق کیا ہے، البانی نے یہ حدیث سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (۶۲۵) میں ذکر کی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں انسان کی خوش قسمتی کی دلیل ہیں اور تین چیزیں اس کی بدقسمتی کی، صالح بیوی، اچھا مکان اور اچھی سواری اس کی خوش قسمتی کی دلیل ہیں تو بری بیوی، برا مکان اور بری سواری اس کی بدقسمتی کی۔ ۶۵۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: چار نعمتیں جسے مل گئیں اسے دنیا وآخرت کا خیر مل گیا: شکر گزار دل، ذکر خداوندی میں مشغول زبان، پریشانیوں پر صبر کرنیوالا جسم اور ایسی بیوی جو اپنے سلسلے میں اور شوہر کے مال کے سلسلے میں خیانت نہ کرے۔ ۶۶۔

طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ:

ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں آپ کی خدمت میں عورتوں کی قاصد ہوں، اور تمام عورتوں کی خواہش پر ہی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں، پھر اس عورت نے اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے عرض کیا کہ: اللہ مردوں اور عورتوں کا رب ہے۔ اور آپ مردوں اور عورتوں دونوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں، اللہ نے مردوں پر جہاد فرض کیا ہے، اگر وہ فاتح ہوں تو انہیں ثواب ملے، اور اگر وہ شہید ہو جائیں تو ہمیشہ زندہ رہیں اور اللہ کی جانب سے مستقل انہیں رزق ملے۔ یہ ثواب عورتوں کے کس عمل پر ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: شوہروں کی اطاعت اور ان کے حقوق کی ادائیگی کے ذریعہ

۶۵۔ یہ حدیث امام احمد، بزار اور طبرانی (**المعجم الاوسط** اور **المعجم الکبیر**) میں نقل کی ہے، امام احمد کی ذکر کردہ سند کے تمام رواۃ صحیح کے رواۃ ہیں، ان تمام حضرات نے یہ حدیث حضرت سعد بن ابی وقاص کی روایت سے نقل کی ہے، یہ بات ہیثمی نے مجمع الزوائد (۴/۲۷۲) میں لکھی ہے، منذری نے اس حدیث کو الترغیب و الترھیب میں نقل کر کے لکھا ہے: امام احمد نے اسے صحیح سند سے نقل کیا ہے، طبرانی اور حاکم نے بھی اسے نقل کیا ہے، حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

۶۶۔ ہیثمی (۴/۲۷۳) نے کہا ہے کہ یہ حدیث طبرانی نے **المعجم الکبیر** اور **المعجم الاوسط** میں حضرت ابن عباس کے حوالہ سے نقل کی ہے، **المعجم الاوسط** میں مذکور سند کے رواۃ صحیح کے رواۃ ہیں۔ البتہ اس میں ''برے مکان نی نی کی جگہ'' تنگ مکان نی نی کا ذکر ہے۔

عورتیں یہ ثواب حاصل کرسکتی ہیں، لیکن تم میں سے چند ہی ایسا کرتی ہیں۔ ۶۷ ؎

اسلام نے شوہر پر بیوی کے کچھ حقوق مقرر کئے ہیں، ان حقوق کو اس نے محض رسمی طور پر بیان نہیں کیا ہے، بلکہ ان کی ادائیگی کو دیکھنے کے لئے متعدد نگہبان بنائے ہیں : ۱–خود مسلمان کا ایمان اور تقویٰ، ۲–معاشرہ کا ضمیر اور اس کی بیداری، ۳–شریعت کا حکم اور اس کی جانب سے اسے لازم قرار دینا۔

ان حقوق میں سب سے پہلا حق ''مہر'' ہے، جس کو اسلام نے شوہر پر بیوی کے لئے لازم قرار دیا ہے، تا کہ اس طرح وہ بیوی کی بابت اپنی رغبت اور پسندیدگی کا اظہار کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : {وَ آتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْساً فَكُلُوهُ هَنِيئاً مَّرِيئاً} [نساء: ۴] (اور عورتوں کو ان کے مہر راضی خوشی دے دو، ہاں اگر وہ خود اپنی خوشی سے کچھ مہر چھوڑ دیں تو اسے شوق سے خوش ہو کر کھاؤ پیو)۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مہر ہدیہ ہے، عورت سے لذت اندوزی کی قیمت نہیں، جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔

اسلام کی اس خاتون سے دیگر تہذیبوں کی ان عورتوں کا کیا مقابلہ جو شوہر کو اپنے مال میں سے ایک حصہ دیتی ہیں، حالانکہ فطرت خداوندی نے عورت کو مطلوب بنایا ہے طالب نہیں۔

ان حقوق میں دوسرا نمبر ''نفقہ'' کا ہے، شوہر کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے لئے غذا، کپڑوں، رہائش اور علاج کا اپنے ماحول، زمانہ اور حالات کے لحاظ سے انتظام کرے، عورتوں کے حقوق بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : ''معروف کے مطابق بیویوں

---

۶۷ ؎ ہیثمی نے مجمع الزوائد (۴/ ۳۰۵، ۳۰۶) میں لکھا ہے : یہ حدیث طبرانی نے روایت کی ہے، اس کی سند میں ایک راوی رشدین بن کریب ہیں، جو کہ ضعیف ہیں، (جلد ۱۱: حدیث: ۱۲۱۶۳) بزار نے بھی ایسی ہی ایک روایت نقل کی ہے اور اس میں بھی رشدین ہیں، (جلد ۲ حدیث: ۱۴۷۴)

کے لئے کھانے اور کپڑوں کا انتظام تمہاری ذمہ داری ہے''۶۸ ۔معروف سے مراد وہ مقدار ہے جو دیندار اور معاشرہ کے اچھے لوگوں کے نزدیک مناسب ہو، اور اس میں نہ فضول خرچی ہو نہ بخل۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے { :لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْساً إِلَّا مَا آتَاهَا}[طلاق: ۷] (کشادگی والے کو اپنی کشادگی کے حساب سے خرچ کرنا چاہئے، اور جس پر اس کے رزق میں تنگی کی گئی ہو اسے چاہئے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اسے دے رکھا ہے اسی میں سے اپنی حیثیت کے مطابق دے، کسی بھی شخص کو اللہ اس کی وسعت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتا ہے)۔

تیسرا حق ان کے ساتھ معروف کے مطابق سلوک کرنا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ' (وعاشروهن بالمعروف)[نساء :۱۹] (ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے بود و باش رکھو)۔

یہ ایک جامع عنوان ہے، جو شوہر اور بیوی کے درمیان تعلق کے ہر پہلو میں اچھا معاملہ کرنے پر مشتمل ہے، جیسے خوش اخلاقی، نرمی، خوش کلامی، خندہ پیشانی اور اس سے مزید ار گفتگوئیں کر کے اس سے دل لگی کرنا، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے : ''کامل درجہ کا مؤمن وہ شخص ہے جو نہایت خوش اخلاق ہو اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ نہایت نرم رو یہ اختیار کرتا ہو''۶۹ ۔

ابن حبان نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے حق میں سب سے بہتر ہو اور میں اپنے اہل خانہ کے لئے سب سے بہتر ہوں''۷۰ ۔

رسول اکرم ﷺ کی عملی زندگی سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ اپنے اہل خانہ سے نہایت

---

۶۸ ۔ ابوداؤد (۱۹۰۵)، ابن ماجہ (۳۰۷۴) اور دارمی (کتاب المناسک ص ۴۴۰:) نے یہ حدیث حضرت جابر کی روایت سے نقل کی ہے، جب کہ امام احمد (۵ / ۷۳) نے یہ روایت ''عم ابی حرۃ الرقاشی'' کی روایت سے نقل کی ہے۔

۶۹ ۔ حضرت ابوہریرہ کی روایت سے یہ حدیث امام ترمذی (۱۱۶۲) نے نقل کی ہے اور اسے حسن کہا ہے۔

۷۰ ۔ ابن حبان: احسان، جلد ۹، حدیث نمبر ۴۱۷۷:۔

لطف وملاطفت کا معاملہ فرماتے اور اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ بہت اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آتے یہاں تک کہ کبھی کبھی گھریلو کاموں میں آپ ان کی مدد فرماتے، اپنی بیویوں کے ساتھ ملاطفت کا معاملہ کرنے کی آخری حد یہ ہے کہ آپ نے دومرتبہ حضرت عائشہ سے دوڑ میں مقابلہ کیا، ایک مرتبہ وہ جیت گئیں اور دوسری مرتبہ آپ ﷺ جیتے جب دوسری مرتبہ آپ جیتے تو آپ نے فرمایا اب مقابلہ برابر ہو گیا۔[۷۱]

ان حقوق کے مقابلہ میں اسلام نے بیوی پر شوہر کی اطاعت اور اس کے مال کی حفاظت لازم قرار دی ہے۔ وہ شوہر کا مال صرف اسی کی اجازت سے خرچ کرسکتی ہے۔ اسی طرح اسلام نے بیوی پر گھر کی حفاظت بھی واجب کی ہے، اس لئے وہ گھر میں کسی کو بھی یہاں تک کہ اپنے گھر والوں کو بھی اس کی مرضی کے خلاف نہیں بلاسکتی۔

شوہر پر اس کے جو حقوق اسلام نے متعین کئے ہیں ان کے مقابلہ میں یہ واجبات نہ زیادہ ہیں نہ ظالمانہ، فطری حقوق کے مقابلہ میں کچھ ذمہ داریاں عائد ہونا بالکل فطری بات ہے، اسلام کی انصاف پسندی کی دلیل ہے کہ اس نے ذمہ داریاں صرف عورت یا صرف مرد پر نہیں رکھی ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے { :وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوف}[بقرہ :۲۲۸] (یعنی معروف کے مطابق عورتوں کی ذمہ داریوں کی طرح ان کے کچھ حقوق بھی ہیں)۔

ایک بہت پیاری روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک روز حضرت عبد اللہ بن عباس آئینہ کے سامنے کھڑے اپنی ہیئت درست کر رہے تھے، جب اس کی بابت ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا : میں اپنی بیوی کے لئے ویسے ہی سنور رہا ہوں جیسے کہ وہ میرے لئے سنورتی ہے، اس کے بعد انہوں نے مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔ یہ روایت صحابہ کی قرآن

---

[۷۱] ابن ماجہ (۱۹۷۹)، زوائد میں اسے بخاری کی شرط کی روایت بتایا گیا ہے، نسائی نے اسے باب عشرۃ النساء میں نقل کیا ہے، ص: ۹۰، حدیث نمبر ۵۶۔

مجید پر گہری نظر کی ایک دلیل ہے۔

بیوی کی مستقل شخصیت :

اسلام شادی کے ذریعہ عورت کی شخصیت کو ختم نہیں کرتا ہے، اور نہ ہی اس کی شخصیت کو شوہر کی شخصیت میں ضم کرتا ہے، جیسا کہ آج کل مغربی روایات کے تحت ہوتا ہے، مغرب میں خاتون اپنے شوہر کی تابع ہوتی ہے، وہ اپنے نام، اپنے نسب اور اپنے خاندانی لقب (Surname) سے نہیں جانی جاتی ہے، بلکہ اس کا تعارف فلاں کی بیوی کی حیثیت سے ہوتا ہے۔

جب کہ اسلام عورت کی شخصیت کو مستقل حیثیت دیتا ہے، اسی لئے ہم رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کو ان کے اپنے ناموں اور انساب سے جانتے ہیں، جیسے خدیجہ بنت خویلد، عائشہ بنت ابی بکر، حفصہ بنت عمر، میمونہ بنت حارث، صفیہ بنت حیی، مؤخر الذکر کے والد تو ایک یہودی اور رسول اکرم ﷺ کے سخت مخالفین میں سے تھے۔

اسلام کی نگاہ میں شادی سے عورت کی تمدنی شخصیت پر بھی فرق نہیں پڑتا ہے، وہ عقود، معاملات اور تمام تصرفات کی اہل رہتی ہے، خرید و فروخت کر سکتی ہے، اپنی املاک کو کرایہ پر دے سکتی ہے، اسی طرح دیگر املاک کرایہ پر لے بھی سکتی ہے، اپنے مال کو ہدیہ یا صدقہ کر سکتی ہے، وکیل بنا سکتی ہے، خود مقدمہ لڑ سکتی ہے۔

یہ وہ حقوق ہیں جو مغربی خاتون کو بھی عصر حاضر میں ملے ہیں، اور بعض ممالک میں تو ابھی تک عورت شوہر کی خواہشات کی ایک حد تک پابند ہے۔

طلاق

عیسائی مشنریز اور مستشرقین نے عصر حاضر میں اسلام کو نشانہ بنانے کے لئے دو موضوعات پر بہت شور مچایا ہے، حالانکہ یہ دونوں بخدا اسلام کی نہایت قابل فخر تعلیمات میں سے ہیں، ان میں سے ایک طلاق ہے اور دوسرا تعدد ازدواج۔

نہایت افسوس کی بات ہے کہ ان دونوں کی بابت مسلمان بھی اب بکثرت اس طرح گفتگو کرتے ہیں جیسے کہ یہ دونوں خاندان اور معاشرہ کے لئے نہایت مصیبت ہوں، ان کی گفتگوؤں میں اسلام اور اس عظیم ومبارک شریعت پر تنقیدیں کی جاتی ہیں۔

درحقیقت اسلام نے ان دونوں چیزوں کو زن وشو کی زندگی کے بہت سے مسائل حل کرنے کے لئے مشروع کیا ہے، اصل مصیبت اللہ کی شریعت کا غلط فہم یا اس کی غلط تطبیق ہے، اور کسی بھی چیز کا غلط استعمال زبردست ضرر کا سبب بنتا ہے۔

اسلام نے طلاق کیوں مشروع کی؟

اسلام میں ہر طلاق محمود نہیں ہے، بلکہ بعض طلاقیں اس کی نگاہ میں مکروہ اور حرام بھی ہیں، اس لئے کہ طلاق خاندان کو ختم کرتی ہے اور اسلام اس کی تشکیل وتعمیر چاہتا ہے، اسی لئے ابوداؤد کی ایک روایت میں کہا گیا ہے: ''اللہ کی نگاہ میں سب سے مبغوض حلال طلاق ہے۔[۷۲]''

قرآن کریم نے تو میاں بیوی کے درمیان تفریق کرانے کو کافر جادوگروں کا کام قرار دیا ہے، کافر جادوگروں کی بابت اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {فَيَتَعَلَّمُونَ مِنۡهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيۡنَ

۷۲؎ ابوداؤد (۲۱۷۸) بروایت حضرت ابن عمرؓ۔

الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ}[بقرہ: ۱۰۲] (پھر لوگ ان سے [ہاروت وماروت سے] وہ سیکھتے جس سے میاں بیوی میں علاحدگی کرادیں)۔

اسلام کی مشروع کردہ طلاق تکلیف دہ آپریشن کی طرح ہے، آپریشن میں انسان اس زخم کی تکلیفات برداشت کرتا ہے، بلکہ بسا اوقات تو جسم کے دیگر حصوں کی حفاظت کے لئے اور بڑے ضرر سے بچنے کے لئے جسم کے کسی عضو کو کاٹ دیا جانا بھی انسان گوارا کرتا ہے۔

اگر دونوں میاں بیوی کے درمیان دوری بڑھ گئی ہو، اور ان کے درمیان ہم آہنگی قائم کرنے کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہو رہی ہوں تو ایسی صورت میں طلاق ایسی کڑوی دوا ہے جس کے علاوہ کوئی اور دوا نہ پائی جاتی ہو، اس لئے کہا جاتا ہے کہ: اگر ہم آہنگی نہ ہو تو علاحدگی ہی بہتر ہے، قرآن کہتا ہے {وَإِن يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّن سَعَتِهِ}[نساء: ۱۳۰] (اگر میاں بیوی جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے نیاز کر دے گا) اس سلسلے میں اسلام نے جو عمل (طلاق) مشروع کیا ہے وہ عقل ومصلحت کا تقاضا ہے، اس لئے کہ یہ بات تو نہایت نامعقول ہے کہ ایسے دو لوگوں کے درمیان قانون کے زور سے ابدی تعلق باقی رکھوایا جائے جن میں آپس میں انس اور اعتماد نہ ہو، بلکہ دوری، بغض اور ناپسندیدگی ہو۔

قانون کے زور پر ایسے شخص کے ساتھ زندگی گزروانے کا فیصلہ ایک ایسی سخت سزا ہے جو کسی بڑے جرم کے مجرم کو ہی دی جا سکتی ہے، یہ سزا عمر قید سے بھی بڑھ کر ہے، اس لئے کہ ایسی زندگی ناقابل تحمل جہنم سے عبارت ہے۔

زمانۂ قدیم کے کسی حکیم کا قول ہے: ''ایسے شخص کے ساتھ رہنا بہت بری آزمائش ہے جو نہ آپ سے ہم آہنگ ہو اور نہ آپ کا ساتھ چھوڑے''۔

متنبی کا شعر ہے:

ومن نكد الدنيا على الحر أن يرى   عدوا له ما من صداقته بد

(آزاد فطرت لوگوں کو اس دنیا میں جو پریشان کن باتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ دشمن سے دوستی نبھانے پر مجبور ہو)۔

اگر یہ باتیں کسی ایسے شخص کی بابت کہی جارہی ہیں جس کا ساتھ تھوڑے سے وقت، ایک دن یا چند دنوں کے لئے ہو تو پھر بیوی کے بارے میں کیا کہا جانا چاہئے، اس لئے کہ بیوی تو شریک حیات، ہم آغوش اور ہر وقت کی ساتھی ہوتی ہے۔

طلاق کے امکانات کی تحدید :

پھر اسلام نے اس سلسلے میں ایسے اصول مقرر کئے ہیں اور ایسی ہدایات وتعلیمات دی ہیں کہ اگر لوگ ان پر اچھی طرح عمل کریں تو طلاق کی ضرورت بہت کم پڑے، اور اس کے امکانات بھی کم ہوجائیں۔ اس سلسلے کی چند باتیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں :

۱ــ بیوی کا اچھی طرح انتخاب کرنا اور مال، دنیوی وجاہت اور جمال سے پہلے دین واخلاق کے پہلو کی طرف توجہ کرنا، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے : ’’کسی بھی عورت سے شادی چار بنیادوں پر کی جاتی ہے : مال کی بنیاد پر، دنیوی حیثیت کی بنیاد پر، خوبصورتی کی بنیاد پر اور دین کی بنیاد پر، دین دار خاتون کا انتخاب کر کے کامیابی کی راہ اختیار کرو، اللہ تمہارے لئے برکت دے۔ ۴۳ے

۲ــ جس عورت کے یہاں رشتہ بھیجنا ہو اس کو دیکھنا، تاکہ وہ اس کے حسن کی طرف سے مطمئن ہوجائے اور اس کے دل میں لڑکی کی محبت پیدا ہوجائے، اس لئے کہ یہ ابتدائی نگاہ الفت ومحبت کا پیش خیمہ ثابت ہوگی، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے شخص سے جس نے ایک عورت کے یہاں رشتہ بھجوایا تھا فرمایا تھا : ’’جاؤ اسے دیکھو، اس لئے کہ اس سے تم دونوں

۴۳ے یہ حدیث حضرت ابوہریرہ کی روایت سے صحیح بخاری وصحیح مسلم دونوں میں منقول ہے، اللؤلؤ والمرجان ۹۲۸۔

کے درمیان الفت ومحبت پائی جائے گی۔[٤٧] یہ دیکھنے کا جوحکم رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے یہ اگر وجوب کا نہیں تو استحباب کا تو ضرور پتہ دیتا ہے، اس سلسلے کی متعدد احادیث مروی ہیں، حضرت جابر نے اپنی بیوی کے بارے میں فرمایا تھا : ''میں ایک پیڑ کے نیچے کھڑے اس کی تاک میں تھا، یہاں تک کہ میں نے اس میں وہ صفت پائی جس کی وجہ سے میں اس سے نکاح کروں۔''

لیکن افسوس کہ مسلمانوں کی (بالخصوص خلیج کے مسلمانوں کی) ایک بڑی تعداد رشتہ بھیجنے والے لڑکے کے لڑکی کو دیکھنے کو عیب سمجھتی ہے، ان کے یہاں لڑکا لڑکی کو شب زفاف سے پہلے نہیں دیکھ پاتا ہے، حالانکہ وہ کسی کالج یا یونیورسٹی کی طالبہ ہوتی ہے، بازار جاتی ہے، گھر سے باہر نکلتی ہے، سب لوگ اسے دیکھتے ہیں اور اگر نہیں دیکھتا تو بس وہ شخص جو اس سے شادی کا ارادہ رکھتا ہے۔

دوسری طرف کچھ لوگ اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ رشتہ بھیجنے والا لڑکا اس لڑکی سے جس کو اس نے پیغام بھیجا ہے تنہائی میں ملے، یہ دونوں تنہا وقت گزاریں، اور سینما وغیرہ میں ایک ساتھ شب باشی کریں، اس طرح شریعت کا ایک حکم افراط وتفریط کا شکار ہو گیا ہے۔

۳—لڑکی اور اس کے اولیاء شریف شوہر کے انتخاب کا اہتمام کریں، اس لڑکے کو ترجیح دیں جس کے دین واخلاق کی طرف سے مطمئن ہوں، ہم نے پیچھے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا : ''جب تمہارے یہاں کسی ایسے لڑکے کا رشتہ آئے جس کے دین اور اخلاق سے تم مطمئن ہو تو اس کا رشتہ قبول کرلو''۔ سلف کا ارشاد ہے : اپنی بیٹی کی شادی دیندار لڑکے سے کرو، اگر وہ تمہاری بیٹی سے محبت کرے گا تو اس کا اکرام کرے گا، اور اگر اس کو ناپسند کرے گا تو اس پر ظلم نہ کرے گا۔

---

[٤٧] احمد، دارقطنی، حاکم اور بیہقی نے یہ روایت حضرت انس سے روایت کی ہے، جب کہ احمد، ابن ماجہ، دارقطنی، طبرانی اور بیہقی نے یہ حدیث حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت کی ہے، ملاحظہ ہو صحیح الجامع الصغیر و زیادتہ (٨٥٩)۔

۴– کسی لڑکے کا رشتہ قبول کرکے اس کے ساتھ لڑکی کی شادی کرنے کے سلسلہ میں اسلام نے لڑکی کی رضامندی کو شرط قرار دیا ہے، ایسی جگہ لڑکی کی زبردستی شادی کرنا کسی بھی طرح جائز نہیں ہے جہاں کے لئے وہ راضی نہ ہو، رسول اللہ ﷺ نے لڑکی کی ناپسندیدگی کی وجہ سے شادی کو کالعدم قرار دیدی تھی۔

۵– لڑکی کے ولی کی رضامندی اور موافقت کا وجوبی یا استحبابی طور پر اعتبار، عورت اس جگہ شادی نہ کرے جہاں کیلئے اس کے گھر والے راضی نہ ہوں، اس لئے کہ ایسا کرنے سے اس کا اپنے گھر والوں سے تعلق ختم ہوجائے گا، اوراس کی ازدواجی زندگی پر اس کا بہت غلط اثر پڑے گا۔

۶ – لڑکیوں کی شادی میں ان کی ماؤں سے مشورہ لینے کا حکم، تاکہ شادی تمام متعلقہ افراد کی رضامندی سے ہو، ایک حدیث میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے : ''عورتوں سے ان کی بیٹیوں کے سلسلہ میں مشورہ کرو'' یہ حدیث اوراس کی بابت امام خطابی کا کلام پیچھے گزر چکا ہے۔

۷– معروف کے مطابق اچھا سلوک کرنے کا وجوب، زوجین کے آپسی حقوق و ذمہ داریوں کی تفصیل، بیوی کی بابت احکام خداوندی کی پابندی کے سلسلہ میں ایمانی جذبات کو بیدار کرنا، اوران احکام کی پاسداری کے سلسلے میں اللہ سے تقوی اختیار کرنے کی ہدایت، زوجین میں سے ہر ایک کی کچھ ذمہ داریاں ہیں اوران کے بدلہ میں انہیں کچھ حقوق حاصل ہیں، مسلمان کو اپنے حقوق طلب کرنے سے پہلے اپنی ذمہ داریاں ادا کرنی چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : {وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ} [بقرہ: ۲۲۸] (ان کے اوپر جیسی ذمہ داریاں ہیں ویسے ہی ان کے کچھ حقوق بھی ہیں معروف کے مطابق)۔

۸– شوہر کو حقیقت پسندی اختیار کرنے کی ہدایت، یعنی وہ اپنی بیوی کو مکمل محاسن سے آراستہ دیکھنے کی خواہش نہ کرے، بلکہ اس کے محاسن اوراس کے عیوب کے درمیان موازنہ کرے، اگراس کی ایک خصلت شوہر کو ناپسند ہوگی تو دوسری پسندیدہ، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد

ہے :{ کوئی مومن کسی مومنہ (یعنی اپنی بیوی) سے بغض نہ کرے، اس لئے کہ اگر اس کی کچھ عادات اسے ناپسند ہوں گی تو اس کی دیگر عادات پسندیدہ ہوں گی۔ ۷۵ ۔

۹ – شوہر کو اس کی تاکید کہ اگر وہ اپنی بیوی میں کچھ ایسی باتیں دیکھے جن کی وجہ سے اسے بیوی سے دوری ہو تو اپنی عقل سے کام لے اور اپنی مصلحت کا خیال رکھے، اور جذبات کی رو میں نہ بہہ جائے، اور یہ توقع رکھے کہ اللہ تعالیٰ مستقبل میں حالات بہتر کردے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : {وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَن تَكْرَهُوا شَيْئاً وَيَجْعَلَ اللّهُ فِيهِ خَيْراً كَثِيراً}[نساء:۱۹] (اور ان کے ساتھ معروف کے مطابق اچھا سلوک کرو، تمہیں وہ ناپسند ہوں تو ہوسکتا ہے کہ کسی چیز کو تم ناپسند کرو اللہ اس کو زبردست خیر کا ذریعہ بنائے)۔

۱۰ – شوہر کو یہ ہدایت کہ وہ نافرمان بیوی کی اصلاح میں حکمت اور تدریج سے کام لے، پہلے نرمی سے کوشش کرے تو اپنی کمزوری نہ دکھائے، پھر سختی کرے تو ظلم نہ کرے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : {وَاللاَّتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلاَ تَبْغُواْ عَلَيْهِنَّ سَبِيلاً إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلِيّاً كَبِيراً}[نساء : ۳۴] (اور جن عورتوں کی نافرمانی اور بدد ماغی کا تمہیں خوف ہو انہیں نصیحت کرو اور انہیں الگ بستروں پر چھوڑ دو، اور انہیں مار کی سزا دو پھر اگر وہ تابعداری کریں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو، بے شک اللہ بڑی بلندی اور بڑائی والا ہے)۔

۱۱ – زوجین کے درمیان نااتفاقی پائے جانے کی صورت میں معاشرہ کو اس بات کا حکم کہ وہ اس مسئلہ میں دخل اندازی کرتے ہوئے ایک ''بین خاندانی مجلس'' تشکیل دے، جس میں دونوں کے اچھے اور قابل اعتماد رشتہ دار ہوں، اور یہ حضرات ان دونوں کے تعلقات صحیح کرنے اور اچھی طریقہ سے مسئلہ حل کرنے کی کوشش کریں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے { :وَإِنْ خِفْتُمْ

---

۷۵ ۔ امام احمد اور امام مسلم نے یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے نقل کی ہے، ملاحظہ ہو حوالۂ سابق: ۱۴۷۷۔

شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُواْ حَكَماً مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَماً مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلاَحاً يُوَفِّقِ اللّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلِيماً خَبِيراً﴾[نساء: ۳۵]

اگر مسلمان اسلام کی ان تعلیمات اور ہدایات کا اتباع کریں اور ان کی ویسی پاسداری کریں جیسی کرنی چاہئے تو طلاق کے امکانات نہایت کم ہوں گے۔

طلاق کب اور کیسے؟

پھر اسلام نے طلاق کو ہر وقت اور ہر حال میں مشروع نہیں کیا ہے، قرآن وسنت کی بیان کردہ مشروع طلاق کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اس سلسلے میں سنجیدگی اختیار کرے اور مناسب وقت کا انتخاب کرے، لہذا وہ اپنی بیوی کو حیض میں اور اس طہر میں طلاق نہ دے جس میں اس نے اس سے جنسی تعلق قائم کیا ہو، اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کی طلاق بدعی وحرام ہوگی، بعض فقہاء کے نزدیک یہ طلاق واقع ہی نہیں ہوگی، اس لئے کہ یہ طلاق رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ہدایت کئے گئے طریقہ کے مطابق واقع نہیں ہوئی ہے، اور آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ''من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد''[۷٦]۔ (جو شخص ہماری ہدایت کے خلاف عمل کرے تو وہ معتبر نہیں ہے)۔

یہ بھی ضروری ہے کہ طلاق دینے والا شخص ہوش وحواس میں ہو اور مجبور نہ ہو، اگر وہ ہوش وحواس میں نہ ہو یا مجبور کردیا گیا ہو، یا پھر ایسے غصہ میں ہو کہ اپنے قصد وارادہ سے جاتا رہے اور ایسی صورت میں وہ الفاظ منھ سے نکالے جن کا اس نے ارادہ نہیں کیا تھا تو صحیح قول کے مطابق ایسی حالت میں دی گئی طلاق واقع نہ ہوگی، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''اغلاق'' کی کیفیت میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہوتی[۷۷]۔ ابو داؤد نے اغلاق کے معنیٰ غصہ کے

۷٦۔ امام مسلم (۱۷۱۸) نے یہ حدیث حضرت عائشہ سے روایت کی ہے۔

۷۷۔ حضرت عائشہ کی روایت سے یہ حدیث ابوداؤد (۲۱۹۳) اور ابن ماجہ (۲۰۴٦) نے نقل کی ہے۔

بتائے ہیں اور بعض دیگر حضرات نے اکراہ (مجبور کئے جانے) کے۔ اور یہ دونوں تشریحات صحیح ہیں۔

یہ بھی ضروری ہے کہ انسان طلاق دینے اور بیوی سے عملی طور پر علاحدگی کا ارادہ رکھتا ہو، لیکن اگر وہ طلاق کو ایک قسم کے طور پا استعمال کرے، یا اس کے ذریعہ دھمکائے تو صحیح قول کے مطابق طلاق واقع نہیں ہوگی، علماء سلف میں سے بعض حضرات کی یہ رائے ہے اور اسے ہی علامہ ابن قیم اور ان کے استاذ علامہ ابن تیمیہ نے ترجیح دی ہے۔

جب طلاق کی یہ تمام قسمیں واقع نہیں ہوتی ہیں تو بس وہی طلاق بچی جس کو انسان اپنے قصد و ارادہ سے خوب سوچ سمجھ کے اس وقت دے جب اس کے نزدیک ناقابل برداشت زندگی سے نجات پانے کا وہ واحد ذریعہ ہو۔ اسی بات کو حضرت ابن عباس نے یوں ارشاد فرمایا ہے: ''طلاق ضرورت کے وقت ہی ہونی چاہئے۔''[۷۸]

طلاق کے بعد:

پھر طلاق ازدواجی زندگی کے بندھن کو اس طور پر ختم نہیں کر دیتی ہے کہ اس کی اصلاح کی کوئی صورت ہی نہیں بچے، اس لئے کہ قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق ہر طلاق دینے والے کو رجوع اور تلافی کرنے کے دو موقع ملتے ہیں، اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ طلاق الگ الگ مرتبہ میں دی جائے، جب دو مرتبہ سے کام نہ بنے تو پھر تیسری مرتبہ کی طلاق قطعی ہوگی، اور اس کے بعد ان دونوں کا نکاح تبھی ہو سکتا ہے جب عورت کسی اور سے نکاح کر لے اور پھر کسی وجہ سے اس سے بھی علاحدگی ہو جائے۔

اسی لئے ایک ساتھ دی گئیں تین طلاقیں قرآن کے مشروع کردہ طریقہ کے خلاف ہیں،

۷۸۔ امام بخاری (۶/۱۶۸) نے حضرت ابن عباس کا یہ اثر کتاب الطلاق کے باب (۱۱) کے ترجمۃ الباب میں ذکر کیا ہے۔

یہ بات نہایت تفصیل اور دلائل کے ساتھ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیم نے تحریر کی ہے، اور متعدد عرب ممالک میں عدالتوں نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔

پھر طلاق عورت کو پوری عدت کی مدت تک نفقہ سے محروم نہیں کرتی، اسی طرح عدت کے ایام تک شوہر بیوی کو اس گھر سے باہر نہیں نکال سکتا ہے جس گھر میں وہ ازدواجی زندگی گزارتے تھے۔ بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے گھر میں ہی رکھے، کہ شاید محبتیں لوٹ آئیں، دل صاف ہو جائیں اور جذبات میں از سر نو تازگی آجائے {**لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِکَ أَمْراً**}[طلاق :۱] (ہوسکتا ہے کہ اللہ اس کے بعد کوئی اور بات پیدا کردے)۔

طلاق کے نتیجہ میں شوہر کو یہ اجازت نہیں ملتی ہے کہ وہ بیوی کا مہر ہڑپ کر جائے، یا پہلے دیے ہوئے ہدیے اس سے واپس لے، {**وَلاَ یَحِلُّ لَکُمْ أَن تَأْخُذُواْ مِمَّا آتَیْتُمُوھُنَّ شَیْئاً**}[بقرہ:۲۲۹] (اور تمہارے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ تم ان کو دی ہوئی کوئی چیز ان سے واپس لو)۔

اسی طرح اسے عرف کے مطابق حق متعہ بھی حاصل ہے {**وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقّاً عَلَی الْمُتَّقِیْنَ**}[بقرہ :۲۴۱] (اور مطلقہ عورتوں کو معروف کے مطابق کچھ دینا متقین پر فرض ہے)۔

اسی طرح طلاق دینے والے کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی سے علاحدگی کے بعد اس کو رسوا کرے، یا اس کے بارے میں بری باتیں پھیلائے، یا اسے اس کی ذات اور اس کے گھر والوں کے حوالہ سے تکلیف پہنچائے، {**فَإِمْسَاکٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِیْحٌ بِإِحْسَانٍ**}[بقرہ :۲۲۹] (پھر یا تو صحیح طریقہ سے بیوی کو اپنے ساتھ رکھو یا پھر مناسب طریقہ سے اسے علاحدہ کردو)، {**وَلاَ تَنسَوُاْ الْفَضْلَ بَیْنَکُم**}[بقرہ :۲۳۷] (اور آپس میں اچھا سلوک کرنے کو فراموش نہ کرو)۔

یہ ہے اسلام کی مشروع کردہ طلاق۔

یہ مناسب وقت میں، مناسب مقدار میں، مناسب اسلوب سے اور مناسب مقصد کے تحت کیا جانے والا مناسب علاج ہے۔

عیسائیوں میں سے کیتھولکس کے یہاں طلاق بالکل حرام ہے، آرتھوڈوکس کے یہاں صرف عورت کے زانیہ ہونے کی صورت میں اس کی اجازت ہے، اس سلسلہ میں ان کی دلیل یہ ہے کہ : جو بندھن اللہ نے باندھا ہے انسان اسے کھول نہیں سکتا، جب کہ مسلمانوں کا کہنا ہے کہ : اللہ ہی اپنے مشروع احکام کے ذریعہ بندھن باندھتا اور کھولتا ہے، وہ بندوں کے لئے ان کی منفعت کے احکام مشروع کرتا ہے، اور وہ ان سے اور ان کی ضرورتوں سے خوب اچھی طرح واقف ہے۔ عیسائیوں کی بڑی تعداد طلاق کی اس حرمت کے خلاف عمل کرتی ہے، جس کی وجہ سے بہت سے عیسائی ممالک کو مجبوراً طلاق کے قوانین وضع کرنے پڑے، یہ قوانین ان شرطوں اور طریقوں کے بغیر ہی طلاق کی اجازت دیتے ہیں جو اسلام نے مشروع کئے ہیں۔ اس لئے اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ ایسے ممالک میں لوگ نہایت معمولی اسباب کی بنا پر طلاق دینے لگے ہیں، اور ان کی ازدواجی زندگی پر ہر لمحہ وقت خاتمہ کے بادل منڈلاتے رہتے ہیں۔

طلاق کا اختیار صرف مرد کو ہی کیوں دیا گیا؟

معترضین کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ طلاق کا اختیار صرف مرد کو ہی کیوں دیا گیا ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ : مرد ہی خاندان کا سربراہ اور اس کا اوّلین ذمہ دار ہوتا ہے، وہی مہر ادا کرتا ہے، مہر کے بعد کے خرچے بھی وہی اٹھاتا ہے، گویا کہ خاندان کا وجود اس کی ہی محنتوں کا ثمرہ ہوتا ہے، اور ایسے شخص کے لئے خاندان کا شیرازہ منتشر کرنا نہایت مشکل ہے، وہ ایسا آخری درجہ کی مجبوری ہی میں کرے گا، جب تک معاملہ حد سے نہیں گزر جائے تب تک وہ اپنے ذریعہ کئے گئے خرچوں اور دی گئی قربانیوں کو ضائع نہیں ہونے دے گا۔

پھر مرد عورت کی بنسبت زیادہ دور اندیش ہوتا ہے، وہ عورت کی طرح جلد بازی میں

فیصلہ نہیں لیتا ہے اور نہ ہی چھوٹی چھوٹی باتوں سے بہت زیادہ متأثر ہوتا ہے، اس لئے وہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ طلاق کا فیصلہ اس کے ہاتھوں میں ہو، جب کہ عورت جلد متأثر ہوتی ہے، احساسات اور جذبات کی رو میں بہہ جاتی ہے، اگر طلاق کا اختیار اسے دے دیا گیا تو وہ معمولی اسباب کی بنا پر اور تھوڑے بہت اختلاف کی صورت میں بھی بہت جلد طلاق دے دے گی۔

اسی طرح طلاق کا اختیار عدالت کو دینا بھی غلط ہے، اس لئے کہ طلاق کی بہت سی بنیادیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کا عدالتوں میں اس طرح عام کیا جانا قطعاً روا نہیں ہوتا کہ ان کا تذکرہ وکلاء اور عدالت کے دیگر متعلقہ افراد میں ہو اور پھر اس کے تذکرے لوگوں کی زبان پر جاری ہوں۔

پھر مغربی قوموں کے ذریعہ طلاق کا اختیار عدالت کو دینے سے طلاق کے واقعات میں کوئی کمی بھی نہیں آئی، اور طلاق کے خواہش مند کسی بھی مرد یا عورت کے عدالت آڑے نہیں آسکی۔

علاحدگی کی خواہش مند عورت شوہر سے کیسے نجات حاصل کرے گی؟

اس موقع پر ایک سوال بہت سے لوگوں کے ذہن میں آتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب مذکورہ بالا اسباب کی بنا پر طلاق کا اختیار صرف مرد کو حاصل ہے، تو شریعت نے عورت کے اختیار میں کیا رکھا ہے؟ اور اگر شوہر سخت مزاج ہو، بد اخلاق ہو، بیوی کے حقوق کی ادائیگی میں واضح طور پر کوتاہی کرتا ہو، یا ان حقوق کی ادائیگی سے مالی و بدنی طور پر معذور ہو، یا ان کے علاوہ کوئی اور ایسی بات ہو جس کی وجہ سے بیوی شوہر کے ساتھ زندگی گزارنا نہ چاہتی ہو تو پھر شوہر سے نجات حاصل کرنے کے لئے اس کے پاس کیا راستہ ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ شارع حکیم نے عورت کے لئے بہت سی ایسی صورتیں

مشروع کی ہیں جن کے ذریعہ وہ اس پریشانی سے چھٹکارا حاصل کرسکتی ہے :

۱ــ وہ عقد کے وقت یہ شرط لگا سکتی ہے کہ اسے طلاق کا حق حاصل ہوگا، امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک یہ شرط جائز ہے، ایک صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ : ''جن شرطوں کو تسلیم کر کے تم بیویوں سے لذت اندوزی کا حق حاصل کرتے ہو وہ شرطیں سب سے زیادہ پوری کیے جانے کی مستحق ہیں۔ ۷۹؎

۲ــ خلع : جو عورت شوہر کو ناپسند کرتی ہو تو اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ شوہر نے اسے مہر اور اس کے علاوہ جو کچھ دیا ہے وہ اسے واپس کر کے علاحدہ ہو جائے، ایسا اس لئے ہے کہ اگر عورت خود علاحدگی کی خواہش مند ہے تو پھر یہ بات انصاف کی نہیں ہے کہ اکیلا شوہر ہی نقصان اٹھائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : {فَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ}[بقرہ: ۲۲۹] (پس اگر تمہیں اس بات کا اندیشہ ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدود قائم نہ رکھ سکیں گے تو اس بات میں ان دونوں کے لئے کوئی گناہ نہیں ہے کہ عورت چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے کچھ دے)۔

ایک حدیث میں ہے کہ : حضرت ثابت بن قیس کی اہلیہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ ذکر کیا کہ وہ اپنے شوہر کو نہایت ناپسند کرتی ہیں تو آپ نے ان سے فرمایا : کیا جو باغ اس نے تمہیں دیا تھا وہ واپس کر دوگی (یہ باغ ان کا مہر تھا) انہوں نے عرض کیا : جی بالکل۔ تو آپ نے حضرت ثابت سے فرمایا کہ وہ ان سے اپنا باغ واپس لے لیں اور کچھ اور نہ لیں۔ ۸۰؎

۳ــ اختلاف کی صورت میں دو حکموں کے ذریعہ تفریق : اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : {وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَماً مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَماً مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلاَحاً يُوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا}[نساء : ۳۵] (اگر ان دونوں [زوجین] کے درمیان تمہیں اختلاف کا ڈر ہو

۷۹؎ حضرت عقبہ بن عامر کی یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ اللؤلؤ والمرجان: ۲/ ۸۹۴۔

۸۰؎ بخاری (۶/ ۱۷۰) نے یہ حدیث کتاب الطلاق، باب (۱۲) میں حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے۔

توتم ایک حکم شوہر کے گھر والوں میں سے اور ایک حکم بیوی کے گھر والوں میں سے متعین کرو، اگر یہ دونوں کے اختلاف کو ختم کرنا چاہیں گے تو اللہ ان دونوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کر دے گا)۔
قرآن مجید نے اس بین خاندانی مجلس نی، کوئی حکمین نی کہا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کو فیصلہ سنانے کا حق حاصل ہے، ایک صحابی نے ایسے ہی دو حکموں سے کہا تھا: ''اگر تم ان دونوں میاں بیوی کو ایک ساتھ باقی رکھنا مناسب سمجھو تو ایک ساتھ باقی رکھو، اور اگر تمہاری رائے ان کے درمیان علاحدگی کی ہو تو ایسا کر دو۔''

۴- جنسی عیوب کی بنا پر تفریق: اگر مرد میں کوئی ایسا عیب ہو جس کی وجہ سے وہ جنسی تعلقات قائم کرنے سے قاصر ہو تو عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عدالت میں مقدمہ دائر کر دے، عدالت عورت سے ضرر کو دور کرنے کے پیش نظر ان دونوں کے درمیان علاحدگی کر دے گی، اس لئے کہ اسلام کی نگاہ میں کسی کو نقصان پہنچانا جائز نہیں ہے۔

۵- شوہر کی جانب سے ستائے جانے کی وجہ سے طلاق: اگر شوہر اپنی بیوی کو ستائے، اسے تکلیف دے اور اس پر ظلم کرتے ہوئے اس کا خرچ نہ اٹھائے، تو عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عدالت سے طلاق دلوائے جانے کا مطالبہ کرے، اور قاضی ایسی صورت میں مرد سے طلاق دلوائے گا تا کہ عورت کو ظلم و ضرر سے بچایا جا سکے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے {وَلاَ تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَاراً لِّتَعْتَدُوا}[بقرہ :۲۳۱] (اور ضرر رسانی کی نیت سے بیویوں کو نہ روکے رکھو تا کہ ان پر زیادتی کرو) ایک اور موقعہ پر فرمایا: {فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ}[بقرہ :۲۲۹] (پھر یا تو معروف کے مطابق بیوی کو اپنے پاس رکھو یا پھر اچھی طریقہ سے چھوڑ دو) ضرر رسانی کی ایک صورت یہ ہے کہ شوہر بیوی کی ناحق پٹائی کرے۔

بلکہ بعض علماء کی رائے تو یہ ہے کہ اگر شوہر ایسا تنگ دست ہو کہ نان ونفقہ کی ذمہ داریاں نہ اٹھا پاتا ہو اور بیوی اس سے علاحدگی کا مطالبہ کرے تو ایسی صورت میں عدالت اسے

علاحدہ کرسکتی ہے، اس لئے کہ شریعت نے اسے تنگ دست شوہر کے ساتھ رہ کر بھوک پر صبر کرنے کا مکلف نہیں بنایا ہے، ہاں اگر وہ از راہ اخلاق و وفا شعاری چاہے تو ساتھ میں رہتی رہے۔

ظالم شوہروں کے ظلم اوران کے ناروا تسلط سے آزادی حاصل کرنے کے لئے اسلام نے عورت کو یہ راستے دیے ہیں۔[۸۱]

انسانوں کے بنائے ہوئے تمام قوانین عورتوں کے حقوق تلف کرتے ہیں، جب کہ مردوزن کے خالق کے بنائے ہوئے قانون میں کسی بھی طرح کا ظلم نہیں ہے، وہ سراپا عدل و انصاف ہے{ :وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْماً لِّقَوْمٍ يُوقِنُون}[مائدہ: ۵۰] (جولوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہوں ان کے لئے اللہ سے بہتر قانون ساز کون ہوسکتا ہے)۔

طلاق کا غلط استعمال :

ایک بات یہ کہنے سے رہ گئی کہ طلاق کا استعمال بہت سے مسلمان نہایت غلط اور بے موقع کرتے ہیں، وہ طلاق کو عورت کی گردن پر لٹکنے والی تلوار کی صورت میں پیش کرتے ہیں، چھوٹی بڑی باتوں پر قسم کھانے کے لئے اس کی قسمیں کھاتے ہیں، بہت سے فقہاء نے بھی طلاق کو واقع قرار دینے کے سلسلہ میں نہایت فراخدلی سے کام لیا ہے، یہاں تک کہ ان کے نزدیک نشہ اور بے انتہا غصہ کی حالت میں دی گئی طلاق بلکہ طلاق مکرہ بھی واقع ہوجاتی ہے، جب کہ ایک حدیث میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا جاتا ہے کہ ''اغلاق'' (غصہ اور اکراہ) کی حالت میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے،[۸۲] اور ابن عباس کا اثر ہے کہ : ''طلاق

۸۱؎ ملاحظہ ہو: ہماری کتاب فتاویٰ معاصرہ (۲/۳۶۱-۳۶۶) کا عنوان ''حق الزوجۃ الکارھۃ''۔

۸۲؎ اس حدیث کا حوالہ پیچھے دیا جاچکا ہے۔

ضرورت کے وقت ہی دی جائے'' یہاں تک کہ ان حضرات نے ایک ساتھ دی گئیں ان تین طلاقوں کو بھی تین طلاق قرار دیا ہے جو گھر کے باہر کے جھگڑوں میں محض ڈرانے اور دھمکانے کے لئے دی گئی ہو، چاہے یہ شوہر گھر کے اندر اپنی بیوی کے ساتھ نہایت اچھی طرح اور ہم آہنگی کے ساتھ رہتا ہو۔

نصوص شرعیہ نیز خاندان کی تعمیر اور اس کی حفاظت جیسے مقاصد شریعت طلاق کے دائرہ کو نہایت محدود کرنے کی راہ نمائی کرتے ہیں، لہٰذا طلاق صرف متعین الفاظ کے ذریعہ متعین وقت میں اور متعین نیت کیساتھ ہی واقع ہوگی، اور یہی رائے امام بخاری اور بعض علماء سلف کی رہی ہے، اور ابن تیمیہ وابن قیم اور ان کے ہم رائے حضرات نے اسی رائے کی تائید کی ہے، اور یہی رائے مزاج شریعت سے ہم آہنگ ہے۔

رہا اسلامی احکام کا غلط فہم یا اس کی غلط تنفیذ تو اس کے مجرم مسلمان ہیں اسلام نہیں۔

تعدد ازدواج

عیسائی مشنریز اور مستشرقین "تعدد ازدواج" کے موضوع پر اس طرح گفتگو کرتے ہیں جیسے وہ اسلام کا شعار ہو اور شریعت اسلامی میں اسے واجب یا کم از کم مستحب تو قرار دیا ہی گیا ہو، اسلام کی بابت یہ کہنا یا تو غلط فہمی ہے یا پھر دیدہ و دانستہ غلط فہمی پیدا کرنے کی ایک کوشش، مسلمان کے لئے شادی کا اصل اصول یہ ہے کہ وہ صرف ایک ہی عورت سے شادی کرے جو کہ اس کے لئے راحت جاں، سکون دل، شوہر کے گھر کی مالکن اور اس کی رازداں ہو، اس طرح ان دونوں میں وہ انس ومحبت موجود رہے جو قرآن مجید کی نظر میں ازدواجی زندگی کے اہم ترین ستون ہیں۔

اسی لئے علماء کہتے ہیں کہ : جس شخص کی ایک بیوی ہو جو اس کی جنسی ضروریات کی تکمیل کر کے اسے پاک دامن رکھے اور اس کی دیگر ضرورتوں کے لئے بھی کافی ہو تو ایسے شخص کے لئے دوسری شادی کرنا مکروہ ہے، اس لئے کہ دوسری شادی کرنے کے بعد ایک حرام کام میں مبتلا ہونے کا ڈر رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : **{وَلَن تَسْتَطِيعُواْ أَن تَعْدِلُواْ بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلاَ تَمِيلُواْ كُلَّ الْمَيْلِ}**[نساء : ۱۲۹] (اور تم باوجود خواہش کے بھی متعدد بیویوں کے درمیان انصاف کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے ہو، لہٰذا کسی ایک کی جانب مکمل طریقہ پر میلان نہ رکھو)۔

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ : "جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ایک کی جانب میلان رکھتا ہو تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہوگا"۔ ۸۳۔

۸۳۔ ابوداؤد (۲۱۳۳)، ترمذی (۱۱۴۱)، نسائی (۷/ ۶۳)، ابن ماجہ (۱۹۶۹)، دارمی (ص ۵۳۹:) اور احمد (۲/ ۳۴۷، ۴۷۱) نے یہ حدیث حضرت ابوہریرہ سے نقل کی ہے، ہمارے درج کئے گئے الفاظ ابوداؤد کے ہیں۔

اگر کوئی شخص دوسری بیوی کا خرچ اٹھانے سے عاجز ہو یا اسے اپنے بارے میں یہ ڈر ہو کہ وہ دونوں بیویوں کے ساتھ انصاف نہ کر سکے گا، [۸۴] تو اس کے لئے دوسری شادی کرنا حرام ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {فَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ تَعْدِلُواْ فَوَاحِدَةً}[نساء: ۳] (اگر تمہیں یہ خدشہ ہو کہ تم متعدد بیویوں کے درمیان انصاف نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی بیوی رکھو)۔

اگر چہ شادی کے سلسلہ میں بہتر یہ ہے کہ مرد (لغزشوں سے بچنے اور دنیوی پریشانیوں واخروی سزا سے محفوظ رہنے کے لئے) ایک ہی بیوی پر اکتفا کرے، لیکن بہت سی ایسی انفرادی واجتماعی مصلحتیں ہیں جن کے پیش نظر اسلام نے مسلمان مرد کو ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کی اجازت دی ہے، اس لئے کہ وہی فطرت سلیمہ سے ہم آہنگ اور حقیقت پسند ایسا دین ہے جو صرف خیالی دنیا میں نہیں رہتا۔

تعدد ازدواج، اسلام اور قدیم امتوں کی نگاہ میں:

بعض لوگ تعدد ازدواج پر اس طرح گفتگو کرتے ہیں جیسے اسے سب سے پہلے اسلام نے مشروع کیا ہو، ایسے لوگ یا تو حقیقت اور تاریخ سے ناواقف ہیں یا پھر تجاہل عارفانہ کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ اسلام سے پہلے کی بہت سی امتوں اور ملتوں نے عورتوں کی ایک بڑی تعداد

۸۴۔ دو بیویاں رکھنے والے شوہر کے لئے فرض انصاف یہ ہے کہ وہ ان دونوں کے درمیان نان ونفقہ، کپڑوں اور شب باشی کے سلسلے میں مساوات کرے، ایک کے حصہ کی رات میں دوسری بیوی کے یہاں وہ صرف خطرناک شدید مرض جیسی ''ضرورات'' میں جاسکتا ہے، اور ایک کے حصہ کے دن میں دوسری بیوی کے یہاں ''حاجت'' میں بھی جاسکتا ہے، جیسے غیر خطرناک مرض کی عیادت، یا کسی ضروری کام کی بابت سوال کرنے کے لیے، اگر وہ دوسری بیوی کے یہاں رکا نہیں تو پھر اس پر قضاء واجب نہیں ہوگی۔ لیکن اگر وہ دوسری کے یہاں ٹھہر گیا یا اس سے اس نے جنسی خواہشات کی تکمیل کی تو پھر قضاء واجب ہوگی، قضاء کی صورت یہ ہے کہ اس نے جس بیوی کی حق تلفی کی ہے، دوسری بیوی کے دن میں سے اس کے یہاں اتنا ٹھہرے، متعدد بیویوں کے درمیان فرض انصاف کی تشریح میں یہ باتیں علماء نے واضح کی ہیں۔

سے شادی کرنے کو بھی جائز قرار دیا تھا، یہ تعداد کبھی دہائیوں میں ہوتی اور کبھی سیکڑوں میں، اس کے لئے ان کے یہاں نہ کوئی شرط تھی اور نہ کوئی حد، عہد نامۂ قدیم کا بیان ہے کہ حضرت داؤدؑ کے پاس تین سو بیویاں تھیں اور حضرت سلیمانؑ کے پاس موجود بیویوں و باندیوں کی تعداد سات سو تھی۔

اسلام نے تعدد ازدواج کی حد بھی مقرر کی اور اس کے لئے شرط بھی لگائی۔

اسلام نے زیادہ سے زیادہ چار بیویوں کی حد مقرر کی، حضرت اسلمؓ بن غیلان بن سلمہ اسلام لائے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا: ''ان میں سے چار کا انتخاب کرلو، اور بقیہ خواتین سے علاحدگی اختیار کرو''[85] اسی طرح جن لوگوں کی اسلام لاتے وقت آٹھ یا پانچ بیویاں تھیں آپ ﷺ نے انہیں بھی صرف چار بیویاں رکھنے کی اجازت دی۔

جہاں تک آپ ﷺ کا ایک ساتھ نو بیویاں رکھنے کا مسئلہ ہے تو یہ آپ ﷺ کے لئے اللہ کی جانب سے خصوصی حکم تھا، اس لئے کہ آپ کی زندگی میں دعوتی مصالح اس کے متقاضی تھے، اور آپ کی وفات کے بعد امت کو ان ازواج مطہرات کی ضرورت تھی، پھر آپ نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ ایک اہلیہ کے ساتھ ہی گزارا تھا، یہ اللہ کی جانب سے آپ ﷺ کی ان ازواج مطہرات کی عزت افزائی تھی جنہوں نے اللہ، رسول اور دار آخرت کا انتخاب کیا تھا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر ان کے علاوہ دیگر عورتوں سے شادی کرنا اور ان میں سے کسی ایک کے بدلے کسی دوسری کو اختیار کرنا حرام قرار دیا تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے { لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِن بَعْدُ وَلَا أَن تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ }[احزاب: ۵۲] (اب اور عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں، اور نہ یہ درست ہے کہ ان کے بدلے آپ اور عورتوں سے نکاح کریں، چاہے آپ کو ان کی صورتیں اچھی بھی لگتی ہوں)۔

۸۵۔ ترمذی (۱۱۲۸) اور ابن ماجہ (۱۹۵۳) نے یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے۔

تعدد ازدواج کے لئے عدل وانصاف شرط ہے :

اسلام نے تعدد ازدواج کے لئے جو شرط لگائی ہے وہ یہ ہے کہ انسان کو اپنے اوپر یہ بھروسہ ہو کہ وہ اپنی دونوں بیویوں کے درمیان کھانے، پینے، کپڑوں، رہائش، شب باشی اور نان ونفقہ میں انصاف قائم کر سکے گا۔ جس کو اپنے اوپر عدل وانصاف اور مساوات کے ساتھ ان حقوق کی ادائیگی کی صلاحیت کا بھروسہ نہ ہو اس کے اوپر ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنا حرام ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : **{فَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً}** [نساء: ۳] (اگر تمہیں یہ ڈر رہو کہ تم انصاف نہ کرسکو گے تو ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو)۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے : ''جس شخص کی دو بیویاں ہوں، اور وہ ان میں سے ایک جانب زیادہ میلان رکھتا ہو تو وہ قیامت کے دن اپنے جسم کے ایک گرے ہوئے (مفلوج) جانب کو کھینچتے ہوئے آئے گا''۔ ۸۶

جس میلان پر مذکورہ بالا حدیث میں وعید آئی ہے، اس سے مراد ایک بیوی کے حقوق تلف کرنا ہے۔ یہاں صرف قلبی میلان کا تذکرہ نہیں ہے، اس لئے کہ انصاف کا یہ وہ مقام ہے جس کی انسان کو استطاعت نہیں ہے، اور اس سے اللہ درگزر فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : **{وَلَن تَسْتَطِيْعُوْا أَن تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلاَ تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ}** [نساء: ۱۲۹] (اور تم باوجود خواہش کے بھی متعدد بیویوں کے درمیان مکمل انصاف نہیں کر سکتے ہو لہٰذا کسی ایک کی جانب مکمل میلان نہ رکھو) اسی لئے رسول اللہ ﷺ عورتوں کے درمیان دنوں کی منصفانہ تقسیم کر کے اللہ کے حضور عرض کرتے تھے کہ : ''اے اللہ یہ تقسیم ان امور کی بابت ہے جن کا میں مالک ہوں، لیکن جس چیز پر میرا بس نہیں چلتا اس کی بابت میری ملامت نہ فرمائیے''۔ ۸۷

۸۶۔ اس حدیث کا حوالہ پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے۔

۸۷۔ ابو داؤد (۲۱۳۴)، ترمذی (۱۱۴۰)، ابن ماجہ (۱۹۷۱)، دارمی (کتاب النکاح، ص ۵۴۰:) اور احمد (۶/ ۱۴۴) نے یہ حدیث حضرت عائشہ سے روایت کی ہے۔

''جس چیز پر میرا بس نہیں چلتا'' سے مراد کسی ایک کی جانب زیادہ دلی میلان ہے۔

جب آپ سفر کرتے تو قرعہ اندازی کرتے، جس کے نام کا قرعہ ملتا آپ اسے سفر پر لے جاتے، ایسا آپ اس لئے کرتے تھے تاکہ دلوں میں میل نہ آئے اور سب راضی رہیں۔

تعدد ازدواج کے جواز کی حکمت :

اسلام خداوند قدوس کا آخری دین ہے، اس لئے اس کی شریعت ہمہ گیر اور دائمی ہے، جو تمام علاقوں، زمانوں اور افراد کو محیط ہے۔

اسلام ایسا نہیں ہے کہ وہ اپنے احکام شہریوں کے لئے بنائے اور دیہاتیوں سے صرف نظر کرے، ٹھنڈے علاقوں کو مخاطب بنائے اور گرم علاقوں پر توجہ نہ دے، یا اس کے برعکس کرے، یا پھر کسی ایک زمانے اور نسل کے لئے شریعت سازی کرے، دوسرے زمانوں اور دوسری نسلوں کا خیال نہ رکھے۔ بلکہ وہ تمام افراد اور تمام معاشروں کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے۔

بسا اوقات مرد کو اولاد کی شدید خواہش ہوتی ہے لیکن اس کی بیوی بانجھ ہونے کی وجہ سے یا کسی مرض کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے ماں نہیں بن سکتی، کیا ایسی صورت میں شوہر اور بیوی کے لئے سب سے زیادہ بہتر صورت یہ نہیں ہے کہ شوہر پہلی بیوی کو باقی رکھتے ہوئے اور اس کے حقوق کی مکمل ادائیگی کرتے ہوئے ایک اور ایسی بیوی لے آئے جو اس کی خواہش کو پورا کردے؟

اسی طرح بعض مردوں میں جنسی شہوت بہت ہوتی ہے، لیکن ان کی بیوی ایسی نہیں ہوتی ہے، یا مریض ہوتی ہے، یا اس کے یہاں حیض کی مدت بہت لمبی ہوتی ہے اور اس وجہ سے وہ شوہر کی جنسی خواہشات کی تکمیل نہیں کر پاتی ہے، ایسا مرد بہت دن تک صبر نہیں کرسکتا ہے، تو کیا اس کے لئے یہ جائز نہیں ہونا چاہئے کہ وہ غیر قانونی طور پر کسی سے جنسی رشتے استوار کرنے یا پہلی بیوی کو طلاق دینے کے بجائے اسے رکھتے ہوئے دوسری شادی کرلے؟

پھر شادی کے لائق عورتوں کی تعداد بسا اوقات ایسے مردوں سے کم ہوتی ہے، خاص طور پر ایسا جنگوں کے بعد ہوتا ہے جن میں مردوں اور جوانوں کی ایک بڑی تعداد کام آجاتی ہے، ایسے وقت میں معاشرہ اور خود عورتوں کی مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ عورتوں کی ایک تعداد غیر شادی شدہ نہ رہ کر بطور سوتن رہ لے، اس لئے کہ اس طرح انہیں انس ملتا ہے، محبت ملتی ہے، پاک دامنی حاصل ہوتی ہے، ماں بننے کی نعمت ملتی ہے اور خود ان کے اندر کی فطرت اس کا تقاضا کرتی ہے۔

شادی کے قابل مردوں کی تعداد سے زائد جتنی عورتیں ہوتی ہیں ان کے سامنے مندرجہ ذیل تین راستے ہی ہوتے ہیں، ان تین کے علاوہ کوئی ایسی چوتھی راہ نہیں ہے جس کو وہ اختیار کرسکیں :

۱ــ یا تو ایسی خواتین مکمل عمر ازدواجی زندگی اور مامتا کے احساس کے بغیر گزار دیں، یہ ان لوگوں کے لئے ایک نہایت سخت سزا ہے، حالانکہ انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔

۲ــ یا ان کو کھلی آزادی دے دی جائے اور یہ اپنے شہوانی جذبات کی تسکین کے لئے بدتمیز مردوں کا شکار بنیں جو جوانی کے بعد ان کو کھائے ہوئے گوشت کی ہڈی کی طرح پھینک دیں، اور اس کے نتیجہ میں غیر قانونی بچے وجود میں آئیں، ایسے بچے وجود میں آئیں جن کا کوئی پرسان حال نہ ہو، جو معاشرہ کے محتاج ہوں اور اس کو فاسد کریں۔

۳ــ یا پھر اس بات کی اجازت دی جائے کہ یہ کسی ایسے شادی شدہ شخص سے شادی کر لیں جو ان کا تکفل کر سکے، ان کی پاکدامنی کی حفاظت کر سکے، اور جسے اللہ تعالی کے حکم کے مطابق عدل کرنے کا خود پر بھروسہ ہو۔

یہ تیسرا راستہ بلا شبہ سب سے زیادہ مناسب اور بہتر طریقہ کار ہے، اور اس کا اسلام نے حکم دیا ہے :{وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللهِ حُكْماً لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ}[مائدہ :۵۰] (اور ایمان والوں کے لئے اللہ سے بہتر قانون ساز کون ہوسکتا ہے)۔

تعدد ازدواج اخلاقی وانسانی نظام ہے :

اسلام کا مشروع کردہ تعدد ازدواج ایک اخلاقی اور انسانی (انسانیت کے لئے مفید) نظام ہے۔

یہ اخلاقی اس لئے ہے کہ یہ مرد کو یہ اجازت نہیں دیتا ہے کہ وہ جب چاہے اور جس عورت سے چاہے تعلقات قائم کرے۔

اسلامی شریعت کی رو سے انسان اپنی پہلی بیوی کے علاوہ تین مزید عورتوں سے تعلقات قائم کرسکتا ہے، پھر یہ تعلقات خفیہ نہیں ہو سکتے، بلکہ ضروری ہے کہ کم ازکم لوگوں کی ایک مختصر سی تعداد کے سامنے علانیہ طور پر نکاح کیا جائے، اس طرح یہ بھی ضروری ہے کہ عورت کے اولیاء کو بھی ان مشروع تعلقات کی اطلاع ہو اور وہ راضی ہوں، یا کم ازکم وہ اس کی بابت اپنا اعتراض ظاہر نہ کریں، اور (نئے قوانین کی رو سے) شادیوں کے لئے مخصوص کسی عدالت میں اس عقد کا رجسٹر بھی ہونا چاہئے، اور بہتر یہ ہے کہ مرد ولیمہ کرے، اس میں شرکت کی دوستوں کو دعوت دے اور خوشی کے اظہار نیز عورت کے اکرام کے لئے دف بجوائے۔

تعدد ازدواج کو ہم نے انسانی اس لئے کہا ہے کہ اس کے ذریعہ مرد ایک بے شوہر کی عورت کی ذمہ داری لے کر اور اس کو اپنی پاکباز و پاک دامن بیویوں میں شامل کر کے معاشرہ کا بوجھ کم کرتا ہے۔

مرد اپنے جنسی عمل کے بدلہ میں مہر دیتا ہے، اس عورت کی ضرورت کے سامان مہیا کراتا ہے، اس کا خرچ اٹھاتا ہے، کہ اس کا ایک سماجی فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ شخص ایک ایسی سماجی اکائی قائم کرتا ہے جو امت کے لئے ایک مفید نسل وجود میں لائے۔

پھر مرد جس عورت سے تعلقات قائم کرتا ہے اسے حمل و ولادت کے مسائل کے لئے بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا، بلکہ اس مدت کے خرچ وغیرہ کی ذمہ داری لے کر اس کی فکروں میں

شریک رہتا ہے۔

اس کے جنسی تعلقات کے نتیجہ میں جو اولاد وجود میں آتی ہے وہ ان کو اپنی اولاد مانتا ہے، اور انہیں معاشرہ کے سامنے اپنی پاکیزہ محبت کے نتیجہ کے طور پر پیش کرتا ہے۔ ان پر فخر کرتا ہے اور مستقبل میں امت بھی ان شاء اللہ ان پر فخر کرے گی۔

بقول ڈاکٹر مصطفی سباعی ''تعدد ازدواج کے نتیجہ میں انسان محدود حد تک اپنی شہوت کی تسکین میں تو اضافہ کر لیتا ہے، لیکن اپنی ذمہ داریوں میں لامحدود اضافہ کرتا ہے۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ تعدد ازدواج ایک اخلاق کی حفاظت کرنے والا اخلاقی اور انسان کو باعزت رکھنے والا انسانی نظام ہے۔

مغرب کا تعدد نہ اخلاقی ہے نہ انسانی :

یہ تعدد مغربی اقوام کے اس تعدد سے کتنا بہتر ہے جس کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے ایک مصنف نے یہ چیلنج کیا ہے کہ مغرب میں کوئی ایک بھی ایسا آدمی نہیں ہوسکتا جو انتقال کے وقت کاہن سے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے یہ اعتراف نہ کرے کہ اس نے (غیر قانونی طور پر) کسی بھی عورت سے تعلق قائم کیا ہے، خواہ ایسا ایک ہی بار ہوا ہو۔

مغربی اقوام کے یہاں پائے جانے والا یہ تعدد غیر قانونی ہے لیکن قانون کے زیر سایہ انجام پا رہا ہے۔

یہ تعدد بیویوں کے نام سے نہیں ہے بلکہ یہ گرل فرینڈس کے نام سے پایا جاتا ہے، اس میں صرف چار کی تعداد کی حد نہیں ہے، بلکہ یہ لاتعداد ہے۔

یہ تعدد علانیہ نہیں ہوتا کہ اس سے خاندان کو خوشی ہو، بلکہ یہ خفیہ ہوتا ہے، اور کسی کو اس کا علم نہیں ہوتا ہے۔

یہ نظام اس عورت کے تئیں مالی ذمہ داریوں کا پابند نہیں بناتا ہے جس کے ساتھ وہ جنسی تعلقات قائم کرتا ہے، مرد بس عورت کی آبرو کو داغدار کرتا ہے، اور پھر اسے ذلت، فاقہ اور غیر قانونی حمل وولادت کی تکلیفیں برداشت کرنے کے لئے تنہا چھوڑ دیتا ہے۔

یہ تعدد مرد کو اس بات کا پابند نہیں کرتا ہے کہ وہ اپنے جنسی عمل کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچوں کو اولاد مانے، یہ بچے غیر قانونی شمار ہوتے ہیں، زندگی بھر ذلت بھری نظروں سے دیکھے جاتے ہیں، اور باعزت زندگی نہیں گزار پاتے ہیں۔

یہ ایک ایسا قانونی تعدد ہے جس میں بیویوں کی تعداد متعین نہیں کی گئی ہے، اور یہ ہر طرح کے اخلاقی کردار، وجدانی بیداری اور انسانی شعور سے محروم ہے۔

اس تعدد کا باعث شہوت وخودغرضی اور ہر ذمہ داری سے فرار کی کوشش ہے۔

اب آپ خود فیصلہ کریے کون سا نظام اخلاقی تقاضوں سے زیادہ ہم آہنگ، شہوت کو زیادہ قابو میں رکھنے والا، عورت کو زیادہ عزت دینے والا، زیادہ ترقی پسندانہ اور انسانیت نواز ہے۔[۸۸]

تعدد ازدواج کی رخصت کا غلط استعمال :

ہمیں اس سے انکار نہیں ہے کہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے طلاق کی طرح تعدد ازدواج کی شرعی رخصت کو بھی غلط طریقہ سے استعمال کیا ہے، جو کمی ہے وہ حکم شرعی میں نہیں ہے، بلکہ غلط فہمی یا بداخلاقی وخراب دینی حالت کے نتیجہ میں پائی جانے والی تطبیق میں ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے ایسے مسلمان بھی ایک سے زیادہ شادیاں کر لیتے ہیں جنہیں

۸۸۔ ملاحظہ ہو: المرأة بين الفقه والقانون، از ڈاکٹر مصطفی سباعی، نیز ملاحظہ ہو: تحرير المرأة في عصر الرسالة از استاذ عبدالحلیم ابوشقہ، جلد پنجم۔

اپنے اوپر اُس عدل کا بھروسہ نہیں ہوتا ہے جسے اللہ نے دوسری شادی کے لئے شرط قرار دیا ہے، بعض ایسے لوگ بھی تعدد ازدواج کی رخصت سے فائدہ اٹھاتے ہیں جو دو بیویوں اور شادیوں کے نتیجہ میں ہونے والی اولاد کا خرچ اٹھانے نیز دوسری ازدواجی زندگی کی دیگر ذمہ داریوں کی استطاعت نہیں رکھتے ہیں، ان میں سے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو خرچ تو اٹھا سکتے ہیں لیکن جنسی طور پر اس کے اہل نہیں ہوتے ہیں۔

اس حق یا رخصت کا غلط استعمال خاندان کے لئے نہایت ضرر رساں نتائج کا سبب بنتا ہے، اس لئے کہ نئی بیوی کی ناز برداری ہوتی ہے اور پرانی بیوی پر ظلم کیا جاتا ہے، وہ کل تک شوہر کی تمام تر عنایات کی حق دار تھی اور اب اس کی زندگی ایسی ہوتی ہے کہ نہ اسے شادی شدہ عورت کی زندگی کہا جا سکتا ہے نہ مطلقہ کی۔ اس کے نتیجہ میں ایک والد کی اولاد میں زبردست حسد پیدا ہوتا ہے، ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ والد ان کے ساتھ یکساں سلوک نہیں کرتا ہے۔

لیکن کچھ مسلمانوں کی یہ غلطی جیسی بھی ہو ویسی سنگین نہیں ہے جیسی مغرب کی ہے، جو اخلاقی تعدد کو جرم اور غیر اخلاقی تعدد کو جائز قرار دیتا ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اکثر مسلم معاشروں میں تعدد ازدواج مسئلہ نہیں ہے بلکہ صرف ایک عورت سے شادی کئے جانے کا رواج نہ جانے کتنے مسئلوں کا سبب بنا ہوا ہے۔

تعدد ازدواج کو ممنوع قرار دیے جانے کا مغرب نوازوں کا مطالبہ :

بعض مسلمانوں سے تعدد ازدواج کے سلسلہ میں جو غلطیاں ہوتی ہیں، افسوس کہ ہمارے عربی و اسلامی ممالک کے بعض مغرب نواز اس کا استعمال مغرب پرستی کی اپنی دعوت کے لئے کرتے ہیں، وہ مطلق طور پر تعدد کو ممنوع قرار دینے کی بات کرتے ہیں، صبح و شام اس کی برائیاں گناتے رہنا ان کا مشغلہ ہے، حالانکہ یہی لوگ دوسری طرف اس زنا کی برائیوں پر مکمل خاموشی

اختیار کرتے ہیں جس کی افسوس کہ متعدد مسلم ممالک کے خود ساختہ قوانین اجازت دیتے ہیں۔

ذرائع ابلاغ (بالخصوص فلموں اور سیریلوں) نے تعدد سے خاص طور پر عورتوں کو نفرت دلانے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے، یہاں تک کہ کچھ خواتین تو اپنے شوہر کی دوسری شادی کے مقابلہ میں اس کے زنا میں مبتلا ہونے کو ترجیح دیتی ہیں۔

ان لوگوں کے دلائل :

بعض عربی و اسلامی ممالک میں ان لوگوں کو کامیابی ملی ہے، ان ممالک میں صرف مغرب کے اتباع میں ایسے قوانین بنے ہیں جو شریعت خداوندی میں جائز تعدد ازدواج کو ممنوع قرار دیتے ہیں، اور دوسرے ممالک میں بھی ایسے قوانین بنوانے کی ایسے کچھ لوگ کوششیں کررہے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ حیرت ناک بات یہ ہے کہ : اس اقدام کو شریعت کی نگاہ میں جائز قرار دیا جارہا ہے، اور مختلف دلائل دے کر اسے فقہ اسلامی سے ہم آہنگ ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

ان لوگوں کی ایک دلیل یہ ہے کہ حکمراں کو حصول منفعت یا دفع مفسدہ کے پیش نظر بعض مباح چیزوں کو ممنوع قرار دینے کا اختیار حاصل ہے۔

بلکہ بعض حضرات تو نہایت بے جا جرأت کے ساتھ اس بات کے لئے کوشاں ہیں کہ اپنے اس دعوے کو قرآن مجید سے ثابت کریں، ان حضرات کا کہنا ہے کہ قرآن مجید نے ایک سے زیادہ شادی کرنے کا ارادہ رکھنے والے کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ اسے دو یا دو سے زائد بیویوں کے ساتھ عدل و انصاف کر سکنے کا اپنے اوپر اعتماد ہو، اور جسے یہ ڈر ہو کہ وہ انصاف نہ کر سکے گا تو اس کے لئے قرآن کا حکم ہے کہ وہ ایک پر اکتفاء کرے۔ ارشاد ہوتا ہے : {وَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ تُقْسِطُواْ فِيْ الْيَتَامَى فَانكِحُوْا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلاَثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ تَعْدِلُواْ فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ أَدْنَى أَلاَّ

تَعُوْلُوْا }[نساء: ۳] (اگر تمہیں یہ ڈر ہو کہ تم یتیموں کے ساتھ انصاف نہ کر سکو گے تو جو عورتیں بھائیں ان سے نکاح کرلو، دو دو، تین تین، چار چار سے، لیکن اگر تمہیں برابری نہ کرنے کا خوف ہو تو ایک ہی کافی ہے یا پھر تمہاری باندی، اس صورت میں کسی ایک کی جانب مائل ہونے کے گناہ سے بچنے کا زیادہ امکان ہے)۔

اس آیت میں قرآن مجید نے تعدد ازدواج کے لئے عدل کی شرط لگائی ہے، لیکن (ان حضرات کے بقول) قرآن نے اسی سورت میں یہ وضاحت کی ہے کہ اس شرط کا پایا جانا ناممکن اور خارج از استطاعت ہے { :وَلَن تَسْتَطِيْعُواْ أَن تَعْدِلُواْ بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلاَ تَمِيْلُواْ كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ}[نساء:۱۲۹] (تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ اپنی تمام بیویوں میں ہر طرح عدل کرو، چاہے تم اس کی کتنی ہی خواہش کرو، لہٰذا تم کسی ایک کی طرف اس طرح مکمل طور پر مائل نہ ہو جاؤ کہ دوسری کو معلق بنا کر چھوڑے رکھو)۔

اس طرح آگے آئی اس آیت نے پچھلی آیت کے حکم کی نفی کر دی۔

سچ یہ ہے کہ یہ تمام استدلالات باطل ہیں، اور صحیح علمی نقد ان دلائل کو غلط ثابت کرتا ہے، ہم ان میں سے ایک ایک کا جواب دیں گے۔

شریعت کسی ایسی چیز کو جائز قرار نہیں دیتی جس میں مفسدہ راجح ہو :

۱- جہاں تک ان حضرات کا یہ کہنا ہے کہ تعدد ازدواج مختلف خاندانی ومعاشرتی مفاسد وضرروں کا باعث ہے تو یہ بات تو واضح طور پر غلط ہے۔

ہم ان لوگوں سے سب سے پہلے تو یہ کہنا چاہیں گے کہ :

ناممکن ہے کہ شریعت اسلامی لوگوں کے لئے کسی ضرر رساں چیز کو جائز یا کسی مفید چیز کو حرام قرار دے۔ بلکہ نص واستقراء کی شہادت یہ ہے کہ شریعت صرف پاکیزہ ونافع چیزوں کو جائز اور صرف گندی ومضر چیزوں کو ہی حرام قرار دیتی ہے۔ اہل کتاب کی کتابوں میں موجود

رسول اللہ ﷺ کی بابت پیشین گوئیوں کے مطابق آپ ﷺ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے قرآن مجید نے یہ بات نہایت بلیغ وجامع اسلوب میں کہی ہے : {يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالأَغْلاَلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِم}[اعراف:۱۵۷] (وہ معروف کا حکم دیتے ہیں، بری باتوں سے منع کرتے ہیں، پاکیزہ چیزوں کو حلال اور گندی چیزوں کو حرام بتاتے ہیں، اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں)۔

لہٰذا شریعت کی نگاہ میں جائز ہر چیز میں یا تو منفعت خالص ہوگی یا پھر راجح، اور شریعت کی حرام کردہ تمام چیزوں کی مضرت بھی یا تو خالص ہوگی یا پھر راجح، شراب اور جوئے کی بابت قرآن مجید کی گفتگو میں یہ پہلو بالکل واضح ہے : {قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا}[بقرہ:۲۱۹] (آپ کہہ دیجئے ان دونوں میں بہت بڑا گناہ اور لوگوں کے لئے دنیاوی فوائد ہیں، لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے)۔

تعدد ازدواج کے سلسلہ میں بھی شریعت نے اسی چیز کا خیال رکھا ہے، اس نے اس کے مصالح ومفاسد فائدوں اور نقصانات کے درمیان موازنہ کرکے اس کے لئے اس کی اجازت دی ہے جسے اس کی ضرورت ہو، اور وہ اس پر قادر بھی ہو، بشرطیکہ اسے اپنے اوپر یہ اعتماد ہو کہ وہ عدل وانصاف کے تقاضوں کا خیال رکھ سکے گا، اور ظلم یا کسی ایک کی طرف میلان سے دور رہے گا : {فَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ تَعْدِلُواْ فَوَاحِدَةً }[نساء :۳] (اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم انصاف نہ کرسکوگے تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفاء کرو)۔

پہلی بیوی کی مصلحت کا تقاضا اگر یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کی تنہا بیوی رہے، اور اس شرف میں کسی اور کو شریک نہ کرے، اور اس کا یہ خیال ہو کہ دوسری بیوی آنے سے اسے نقصان پہنچے گا، تو دوسری جانب شوہر کی مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ دوسری بیوی لے آئے جو اسے حرام

سے بچائے، یا اس کی اولاد کی خواہش پوری کرے، اور دوسری بیوی کی مصلحت اس میں ہے کہ اسے بے شوہر کی زندگی نہ گزارنی پڑے اور آدھا شوہر ہی اس کے حصہ میں آجائے جس کے زیر سایہ وزیر کفالت وہ اپنی زندگی گزارے۔

اور معاشرہ کی مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ایسی حلال شادی کے ذریعہ اپنے مردوں اور اپنی لڑکیوں کی آبرو کی حفاظت کرے، جس کے نتیجہ میں مرد وزن دونوں اپنی اور اپنے رفیق حیات نیز ان شاء اللہ مستقبل میں ملنے والی اولاد کی ذمہ داریاں اٹھائیں، اور اس مغرب کے تعدد کو اختیار نہ کرے جو مسلمانوں کے یہاں پائے جانے والے بیویوں کے تعدد پر نکیر کرتا ہے اور خود متعدد گرل فرینڈس کی اجازت دیتا ہے، جو کہ نہایت غیر اخلاقی وغیر انسانی تعدد ہے، جس میں مرد وزن ایک دوسرے سے لذت اندوزی تو کرتے ہیں لیکن کسی طرح کی ذمہ داریاں نہیں اٹھاتے، پھر اگر اس گندے تعلق کے نتیجے میں اولاد ہو تو وہ شیطان اولاد سمجھی جاتی ہے، نہ اسے کوئی اپنے سے لگانے والا باپ ہوتا ہے اور نہ کوئی شفقت کرنے والا خاندان، اور نہ کوئی نسب جس پر وہ فخر کر سکے۔

اب غور کریے کون سے نقصانات سے بچنا زیادہ ضروری ہے؟

پھر اسلام نے پہلی بیوی کے حقوق باقی رکھتے ہوئے اس کے اور اس کی سوتن کے درمیان نفقہ، رہائش، لباس اور شب باشی میں مساوات کا حکم دیا ہے، یہی وہ عدل ہے جو تعدد ازدواج کی شرط ہے۔

یہ صحیح ہے کہ بعض شوہر اس عدل کا پاس نہیں رکھتے ہیں جس کو اللہ نے ان کے اوپر فرض قرار دیا ہے، لیکن اس غلط تطبیق کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حکم کو ہی ختم کر دیا جائے، اگر یہ رویہ اختیار کیا گیا تو تمام شریعتیں ہی ختم ہو جائیں گی، مناسب طریقہ یہ ہے کہ ایسے ضابطے وضع کئے جائیں جو اس حکم شرعی کا غلط استعمال نہ ہونے دیں۔

جائز امور کو ممنوع قرار دینے کا حکمراں کا حق :

۲ — جہاں تک ان حضرات کا یہ دعویٰ ہے کہ حکمراں کو بعض جائز چیزوں کو ممنوع قرار دینے کا حق حاصل ہے تو ہمارا اس سلسلہ میں کہنا یہ ہے کہ :

شریعت نے حکمرانوں کو جو حق دیا ہے وہ بعض اوقات اور احوال میں بعض لوگوں کے لئے راجح مصلحت کے پیش نظر بعض جائز چیزوں کو مقید کرنے کا حق ہے، اسے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی مباح کو مطلق و ابدی طور پر حرام قرار دیدے، اس لئے کہ ابدی و مطلق طور پر مباح کو حرام قرار دینا حلال کو حرام قرار دینا ہے، اور یہ صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حق ہے، اور ایسا کرنے پر قرآن مجید نے اہل کتاب کی تنقید کرتے ہوئے کہا ہے : {اتَّخَذُواْ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ} [توبہ:۳۱] (انہوں نے اپنے احبار ورہبان کو اللہ کے علاوہ رب قرار دے دیا)۔

حدیث نبوی میں اس کی تفسیر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ : ''ان احبار ورہبان نے جن چیزوں کو حلال اور حرام قرار دیا انہیں حلال اور حرام مان لیا گیا''۔[۸۹]

مباح کو مقید کرنے کی چند مثالیں یہ ہیں : حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بعض دنوں میں جانور ذبح کرنے پر پابندی لگادی گئی تا کہ گوشت کے استعمال میں کمی ہو، ایک متعین مقدار سے زیادہ کسی چیز کی کھیتی پر پابندی، جیسے مصر میں کپاس کی پیداوار کی ایک حد مقرر کردی گئی تھی تا کہ کپاس کی زیادہ کھیتی کے نتیجے میں غلوں اور دیگر غذا کی اشیاء کی کھیتی میں کمی نہ ہوجائے ، کہ ان چیزوں پر لوگوں کی روزی منحصر ہے۔

فوج کے بڑے افسران اور پالیسی ساز شخصیتوں کے لئے غیر ملکی خواتین سے شادی

۸۹۔ حضرت عدی بن حاتم کی روایت سے یہ حدیث امام ترمذی (ابواب التفسیر ۳۰۹۵:) اور طبری (تفسیر، حدیث نمبر:۱۶۶۳۱) نے نقل کی ہے، ترمذی نے اسے غریب بتایا ہے، لیکن اس مضمون کی روایت حضرت خدیجہ سے موقوفاً مروی ہے، ملاحظہ ہو: طبری: ۱۶۶۳۴۔

کرنے کی ممانعت، کہ کہیں عورتوں کے ذریعہ ملک کے راز دشمنوں تک نہ پہنچ جائیں۔

چھوٹی ومختصر مسلم اقلیتوں میں کتابیات سے شادی کرنے کی اس لئے ممانعت کہ اس کی زد مسلم لڑکیوں پر پڑے گی۔

یہ مثالیں مباح کو مقید کرنے کی ہیں، لیکن اگر کوئی چیز ایسی ہے جس کو اللہ نے حلال قرار دیا ہے، اس کی اجازت پر قرآن وسنت کے واضح دلائل شاہد ہیں اور امت میں اس پر مسلسل عمل ہوتا چلا آرہا ہو جیسے طلاق یا تعدد ازدواج تو اس کو اگر ہم مطلق وابدی طور پر ممنوع قرار دے دیں تو یہ عمل مذکورہ بالا مثالوں کی طرح محض مباح کو مقید کرنا نہیں کہلائے گا۔

{وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا أَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاءِ} کا مطلب :

ان حضرات نے جو قرآن مجید سے استدلال کیا تھا وہ بالکل نا قابل قبول اور تحریف کے مترادف ہے، اس کے نتیجہ میں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ پر یہ تہمت لگتی ہے کہ وہ قرآن کے اس حکم کو نہ سمجھ سکے تھے یا اگر سمجھے تھے تو انہوں نے دیدہ ودانستہ اس کی مخالفت کی تھی۔

جس آیت سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے اگر وہ اس پر غور کریں تو خود یہی آیت ان کے خلاف جاتی ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تعدد ازدواج کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی ہے کہ مرد کو اپنے اوپر انصاف کرنے کا بھروسا ہو، پھر اسی سورت میں مطلوبہ انصاف کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا : {وَلَن تَسْتَطِيعُوا أَن تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ} [نساء: ۱۲۹] (تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ اپنی تمام بیویوں میں ہر طرح کا عدل کرو، چاہے تم اس کی کتنی ہی خواہش کرو، لہٰذا تم کسی ایک کی طرف مکمل طور پر مائل نہ ہو جاؤ، کہ دوسری کو معلق بنا کر چھوڑے رکھو)۔

یہ آیت یہ وضاحت کرتی ہے کہ بیویوں کے درمیان کامل ومطلق انصاف انسانی فطرت

کی رو سے انسان کے لئے بالکل ناممکن ہے، اس لئے کہ کامل انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ بیویوں کے ساتھ ہر چیز میں مساویانہ سلوک کیا جائے، یہاں تک کہ قلبی میلان اور جنسی رغبت میں بھی، اور ظاہر کہ اس پر کسی بھی انسان کا قابو نہیں ہے، اسے کسی ایک سے زیادہ محبت ہوتی ہے، کسی کی جانب زیادہ رجحان ہوتا ہے، اور دل تو اللہ کے ہاتھ میں ہے جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔

اسی لئے رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں کے درمیان نفقہ، لباس اور شب باشی جیسے ظاہری امور میں منصفانہ تقسیم کرنے کے بعد اللہ کے حضور عرض کیا کرتے تھے کہ : ''اے اللہ! جن چیزوں پر میرا بس چلتا ہے میں ان کے سلسلے میں مساویانہ تقسیم کر رہا ہوں، پس آپ ان چیزوں کی بابت میرا مؤخذہ نہ فرمائیں جن پر میرا قابو نہیں ہے''[90] یعنی قلبی میلان۔

دل کے میلان اور رجحان میں بھی مساویانہ سلوک کرنا خارج از استطاعت ہے، اور اللہ تعالیٰ بھی اس سے درگزر فرماتا ہے، اس لئے کہ وہ انسان سے ان چیزوں کے سلسلے میں مؤخذاہ نہیں کرتا ہے جن کے سلسلے میں اسے قدرت اور استطاعت حاصل نہیں ہے۔

اسی لئے {وَلَن تَسْتَطِيعُواْ أَن تَعْدِلُواْ بَيْنَ النِّسَاء وَلَوْ حَرَصْتُمْ} (تم خواہش کے باوجود بیویوں کے درمیان مکمل عدل تو نہیں کر سکتے ہو) کے فورا بعد ارشاد ہوا {فَلاَ تَمِيلُواْ كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ} (اس لئے بالکل ایک کی طرف مائل ہو کر دوسری کو لٹکی ہوئی نہ چھوڑو) اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ میلان کی ایک قسم معاف ہے اور وہ ہے دلی میلان۔

حد درجہ حیرت کی بات ہے کہ بعض ان عرب مسلم ممالک نے بھی تعدد ازدواج کو ممنوع قرار دیا ہے، جن کے قوانین کی رو سے زنا عام حالات میں ممنوع نہیں ہے، البتہ چند متعینہ حالات میں ہی (جیسے کہ زبردستی کیا گیا ہو، یا بیوی یا شوہر کی مرضی کے بغیر کیا گیا ہو) حرام ہے۔

شیخ عبد الحلیم محمودؒ نے ایک مرتبہ ہمیں یہ قصہ سنایا کہ ایک عرب نے افریقی ملک میں

---

۹۰ اس کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے۔

جہاں تعدد ازدواج ممنوع تھا نے پہلی بیوی کے ہوتے ہوئے خفیہ طور پر دوسری شادی کرلی، اوراس کے ساتھ تمام شرعی شرطوں کی رعایت کرتے ہوئے نکاح کیا،لیکن یہ نکاح قانونی طور پر معتبر نہیں تھا، اس لئے کہ ملکی قانون کی نگاہ میں یہ نکاح معتبر نہیں تھا، بلکہ یہ قابل سزا جرم تھا، یہ شخص اس بیوی کے پاس مسلسل آتا جاتا رہتا تھا۔ اس کے مسلسل آنے جانے کی وجہ سے تفتیشی ایجنسی نے تحقیقات کیں، تو اسے معلوم ہوا کہ یہ عورت اس شخص کی بیوی ہے، اور اس طرح یہ شخص مجرم ہے۔

ایک رات میں اس ایجنسی کے اہل کاروں نے گھات لگا کر اسے گرفتار کرلیااور دوسری شادی کرنے کے جرم میں اس سے تحقیقات کرنے کے لئے لے گئے۔

یہ شخص نہایت ذہین تھا، اس نے تحقیقات کرنے والوں سے کہا! آپ سے کس نے کہا کہ یہ میری بیوی ہے، یہ میری بیوی نہیں ہے، میری محبوبہ ہے، اس سے میں نے عشق کیا ہے، اور میں اسی لئے اس کے پاس آتا جاتا رہتا ہوں۔

یہ سن کر یہ تفتیشی اہل کار حیرت میں رہ گئے اور انہوں نے اس شخص سے نہایت ادب کے ساتھ کہا کہ : ہمیں اپنی غلطی پر بہت افسوس ہے، ہم اسے بیوی سمجھ رہے تھے، ہمیں کیا خبر تھی کہ وہ گرل فرینڈ ہے۔

یہ کہہ کر تفتیشی اہل کاروں نے اسے چھوڑ دیا، اس لئے کہ حرام طریقہ پر کسی عورت کے ساتھ رہنا، اور اسے اپنی محبوبہ بنا کر اس سے زنا کرتے رہنا اس شخصی آزادی کے دائرہ میں آتا ہے جس کی قانون حمایت کرتا ہے۔

عورت بطور رکن معاشرہ

بعض مخالفین یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ اسلام نے عورت کو گھر کے اندر کا اس طرح قیدی بنایا ہے کہ وہ وہاں سے نکل کر صرف قبر میں ہی جاسکتی ہے۔

کیا اس پروپیگنڈہ کی کتاب وسنت میں کوئی دلیل ہے، کیا مسلمانوں کی ابتدائی تین صدیوں میں جنہیں ''خیر القرون'' کہا گیا ہے مسلم خواتین کی یہی حیثیت تھی؟

نہیں، ہرگز نہیں۔

قرآن مجید نے تو مرد اور عورت کو اسلامی زندگی کی عظیم ترین ذمہ داری (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) کے سلسلے میں شریک بتایا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے : **{وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ}** [توبہ:۷۱] (مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے اولیاء ہیں، وہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں، منکر سے روکتے ہیں، نمازیں قائم کرتے ہیں، زکاۃ دیتے ہیں اور اللہ و رسول کی اطاعت کرتے ہیں)۔

اسی اصول کی تطبیق کے طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ مسجد نبوی میں ایک خاتون حضرت عمر کو اس وقت ٹوک دیتی ہے جب وہ منبر پر لوگوں کو خطاب کر رہے ہوتے ہیں، پھر وہ اپنی رائے سے رجوع کرتے ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ : ''عمر کی رائے غلط تھی عورت کی رائے صحیح ہے''۔[۹۱]

۹۱۔ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، پچھلے صفحات میں اس کا حوالہ گزر چکا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے : ''علم کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے''۔ ۹۲؎

اور تمام علماء کا ماننا ہے کہ مسلمان خاتون بھی اس حدیث کے مفہوم میں داخل ہے، لہٰذا اس کے اوپر یہ فرض ہے کہ وہ اتنا دینی علم ضرور حاصل کرے جس کے ذریعہ وہ اپنا عقیدہ صحیح رکھ سکے، اپنی عبادت صحیح طریقہ سے انجام دے سکے، لباس وزینت وغیرہ میں اسلامی ہدایات پر عمل کر سکے، حلال وحرام اور حقوق وواجبات میں احکام خداوندی کا خیال رکھ سکے، اور پھر علم میں ترقی کر کے اجتہاد کے درجہ تک پہنچ سکے۔

اگر شوہر اپنی بیوی کو ضروری دینی علم کی تعلیم نہیں دے سکتا ہو، یا اسے خود یہ حاصل نہ ہو تو وہ اپنی بیوی کو اس کے حاصل کرنے سے نہیں روک سکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صحابیات حاضر ہو کر اپنے مسائل کی بابت سوالات کرتی تھیں اور دین کا علم حاصل کرنے سے انہیں حیاء بھی باز نہیں رکھتی تھی۔

نماز باجماعت مرد کی طرح عورت سے مطلوب نہیں ہے، اپنے گھر میں اس کی نماز اس کے حالات اور اس کی ذمہ داریوں کی وجہ سے افضل ہے۔ لیکن اگر وہ مسجد میں نماز پڑھنا چاہے تو مردوں کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ اسے مسجد جانے سے منع کریں، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے : ''اللہ تعالیٰ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکا کرو''۔ ۹۳؎

عورت کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اپنی، اپنے شوہر اور اپنی اولاد کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے گھر سے نکل کر کھیت یا بازار جائے، جیسے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر اپنے بارے میں بیان کرتی ہیں کہ : ''میں (اپنے شوہر) زبیر کی زمین سے جو کہ مدینہ سے دو فرسخ کے فاصلہ پر تھی سر پا لاد کر گٹھلیاں لایا کرتی تھی''۔

۹۲؎ ابن ماجہ (جلد اوّل، حدیث نمبر ۲۲۴:) نے یہ حدیث حضرت انس سے روایت کی ہے، سیوطی اور البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

۹۳؎ صحیح مسلم بروایت ابن عمر ا: /۳۲۷، حدیث نمبر: ۴۴۲

تیمارداری، علاج معالجہ اور اسی طرح کے دیگر ان اعمال کی انجام دہی کے لئے عورت لشکر کے ساتھ بھی جاسکتی ہے جو اس کی فطرت سے ہم آہنگ ہوں اور جن کی انجام دہی کی اسے صلاحیت حاصل ہو۔

امام احمد اور امام بخاری نے حضرت ربیع بنت معوذ انصاری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ : ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں شرکت کرتے تھے، وہاں ہم لوگوں کو پانی پلاتے، ان کی خدمت کرتے اور زخمیوں وشہیدوں کو مدینہ پہنچاتے ۔ ۹۴ ۔

امام احمد اور امام مسلم نے حضرت عطیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ : میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شرکت کی، مرد میدان جنگ میں چلے جاتے تو میں ان کے پیچھے ان کے لئے کھانا پکاتی، زخمیوں کا علاج کرتی اور بیماروں کی خبر گیری کرتی۔ ۹۵ ۔

یہ کام عورت کی فطرت اور اس کے کار منصبی سے ہم آہنگ ہیں۔ جب کہ اسلحہ چلانا، جنگ لڑنا اور لشکروں کی قیادت کرنا اس کے کام نہیں ہیں، الا یہ کہ اس کی کوئی ضرورت آن پڑے اس وقت وہ مردوں کے ساتھ دشمنوں سے حسب استطاعت جنگ کرے گی، ام سلیم نے غزوہ حنین کے موقعہ پر ایک خنجر اٹھا رکھا تھا، ان کے شوہر ابوطلحہ نے جب ان سے اس کی بابت دریافت کیا تو انہوں نے کہا : ''میں نے یہ اس لئے اٹھایا ہے کہ اگر کوئی مشرک میرے پاس آئے گا تو میں اس کا پیٹ پھاڑ دوں گی''۔ ۹۶ ۔

ام عمارہ انصاریہ نے غزوۂ احد میں بہترین کردار ادا کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی ان کی تعریف فرمائی تھی، ردہ جنگوں میں بھی انہوں نے شرکت کی تھی، مسیلمہ کذاب کے قتل کے بعد جب وہ واپس ہوئیں تو ان کے جسم پر دسیوں زخم تھے۔

---

۹۴ ۔ احمد: ۶ / ۳۵۸، بخاری: کتاب الجهاد و السیر: ۳ / ۲۲۲

۹۵ ۔ احمد: ۶ / ۴۰۷، مسلم ۱۸۱۲:

۹۶ ۔ مسلم ۱۸۰۹:

اگر بعض زمانوں میں عورتوں کو علم سے محروم رکھا گیا، زندگی کے دھارے سے کاٹ دیا گیا ہے، اور ایک گھریلو سامان بنا کر گھر میں ہی رکھا گیا، نہ اسے شوہر کچھ دیتا تھا اور نہ ہی تعلیم حاصل کرنے کی اسے اجازت دیتا تھا، (یہاں تک کہ اس کے مسجد میں جانے پر بھی پابندی لگا دی گئی) اگر کسی زمانے میں ایسا تھا تو اس کی وجہ ناواقفیت، غلو، اسلامی تعلیمات سے انحراف اور غلط روایات کی پابندی تھی، اس کا حکم اللہ نے نہیں دیا تھا، اور اسلام نہ کل کی ان غیر شرعی روایات کا ذمہ دار تھا اور نہ ہی وہ آج کے دیگر غیر شرعی اقدار کا ذمہ دار ہے۔

اسلام کی فطرت میں انصاف اور توازن ہے، وہ تمام احکام و ہدایات میں اس کا خیال رکھتا ہے، وہ ایک چیز دے کر دوسری چیز سے محروم نہیں کرتا ہے، ایک پہلو پر توجہ دے کر دوسرے پہلو سے صرف نظر نہیں کرتا ہے، وہ حقوق کی ادائیگی یا واجبات کے مطالبہ میں اسراف سے کام نہیں لیتا ہے۔

اسی لئے اسلام مرد کو نقصان پہنچا کر عورت کے ناز نہیں اٹھاتا ہے، اور نہ ہی مرد کی وجہ سے اس پر ظلم کرتا ہے، وہ عورت کی خواہشات کا اس حد تک خیال نہیں رکھتا کہ وہ اپنی ذمہ داریاں ادا نہ کر سکے، اور نہ ہی وہ مرد کو خوش رکھنے کے لئے عورت کے مقام پر آنچ آنے دیتا ہے، عورت کے تئیں اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے :

(الف) اسلام عورت کی اس فطرت اور نسوانیت کی حفاظت کرتا ہے جو اللہ نے اس کے اندر پیدائشی طور پر ودیعت کی ہے، اس کی ان درندوں سے حفاظت کرتا ہے جو حرام طریقہ پر اسے اپنی ہوس کا شکار بنانا چاہتے ہیں، اور ان لوگوں کے استحصال سے اسے محفوظ رکھتا ہے جو اس کی نسوانیت کو اپنی تجارت کو فروغ دینے کا ذریعہ بناتے ہیں۔

(ب) اسلام عورت کے اس کار منصبی کا احترام کرتا ہے، جس کی وہ فطری طور پر اہل ہے، اور جو اس کے لئے اس کے خالق نے تجویز کیا ہے، خالق نے اس کو مرد سے زیادہ شفقت،

جذبات، حساسیت اور شدت تأثر سے نوازا ہے، تا کہ وہ اسے مشفق ماں کی ذمہ داریوں کے لئے تیار کر سکے، وہ ماں جوامت میں سب سے اہم صنعت (مستقبل کی نسل کی تیاری) کی نگراں ہے۔

(ج) اسلام گھر کو خاتون کی مملکت تصور کرتا ہے، وہ گھر کی کرتا دھرتا اور روح رواں ہوتی ہے، وہ مرد کی بیوی، اس کی رفیق حیات، مونس وغم خوار اور اس کے بچوں کی ماں ہوتی ہے، عورت کے ذریعہ گھر کی فکر، شوہر کے کاموں کی انجام دہی اور بچوں کی اچھی تربیت کو اسلام عبادت اور جہاد تصور کرتا ہے، اسی لئے وہ ہر اس مذہب اور نظام سے برسر پیکار ہوتا ہے جو اسے اس کی ذمہ داریوں کی ادائیگی سے روکے، ان ذمہ داریوں کو صحیح سے انجام نہ دینے دے یا اس کے آشیانہ کو اس کے لئے برباد کرے۔

ہر وہ مذہب یا نظام جو عورت کو (آزادی، معاشی سرگرمی یا آرٹ کے نام پر) اس کی مملکت سے بے دخل کرے یا اس کے شوہر اور جگر پاروں سے اسے دور کرے وہ درحقیقت عورت کا دشمن ہے، وہ اس سے سب کچھ چھیننا چاہتا ہے، اور کوئی بھی قابل ذکر چیز نہیں دینا چاہتا، اس لئے ایسے ہر مذہب اور نظام کو اسلام ٹھکرا دیتا ہے۔

(د) اسلام گھروں کو پرسکون بنانا چاہتا ہے تا کہ اس کی بنیاد پر ایک پرسکون معاشرہ کی تعمیر ہو سکے اور پرسکون گھر اعتماد اور یقین کی فضا سے بنتے ہیں شک کی فضا سے نہیں، وہ خانوادہ جس کے معمار ایک دوسرے پر شک کرنے والے اور ایک دوسرے کے تئیں اندیشے رکھنے والے شوہر اور بیوی ہوں وہ شاخ نازک پر بنا ہوا آشیانہ ہے اور اس کے اندر کی زندگی جہنم ہے۔

(ھ) اسلام عورت کو گھر کے باہر کے ان کاموں کی اجازت دیتا ہے جو اس کی فطرت، خصوصیات اور صلاحیتوں سے ہم آہنگ ہوں، اور اس کی نسوانیت کو نقصان نہ پہنچائیں، یعنی حدود اور شرائط کی پابندی کے ساتھ معاشی وسماجی تگ ودو اس کے لئے جائز ہے، بالخصوص اس وقت جب کہ اس کو یا اس کے خاندان کو یا معاشرہ کو اس کی ایسی سرگرمیوں کی ضرورت ہو۔

یہ ضرورت صرف مادی ہی نہیں ہوا کرتی ہے، بلکہ نفسیاتی بھی ہوتی ہے، مثلاً اگر کوئی عورت اعلیٰ درجہ کی تعلیم یافتہ ہو اور اس کی شادی نہ ہوئی ہو، یا شادی تو ہو گئی ہو لیکن اس کے یہاں اولاد نہ ہو اور اسے خالی پن کا احساس ہوتا ہو اور بے پناہ بور رہتی ہو تو ایسی عورت کے لئے گھر کے باہر کی سرگرمیاں اختیار کرنا نفسیاتی ضرورت ہے۔

بات ویسی نہیں ہے جیسی کہ بنا حدود وضوابط عورت کی گھر کی باہر کی سرگرمیوں کے حامی کہتے ہیں ہم اگلے صفحات میں ان شاء اللہ اس موضوع پر تفصیل سے جواب دیں گے۔

عورت کی سماجی ومعاشی سرگرمیوں کی بابت غلو پسندوں کے دلائل :

لیکن جس طرح یورپ کے فکری حملہ کے اسیر مردوزن کے اختلاط اور ان دونوں کے درمیان کے تمام پردوں کو یکلخت ہٹا دیے جانے کے داعی ہیں، اسی طرح یہ لوگ ہمیں ہر میدان میں عورت کے سرگرم ہونے کی دعوت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں، چاہے خود عورت اور معاشرہ کو عورت کی کسی سرگرمی کی ضرورت ہو یا نہیں۔ عورتوں کا ہر میدان کی سرگرمیوں میں حصہ لینا مردوزن کے اختلاط اور بیچ کے تمام پردوں کے ہٹنے کا تکملہ ہے، اس سے اختلاط مکمل طور پر ختم ہوتا ہے، دونوں جنسوں کے درمیان کا فرق ختم ہوتا ہے، اور ان لوگوں کے الفاظ میں عہد وسطی اور اس کی تاریکی سے چھٹکارا ملتا ہے۔

لیکن ان لوگوں کی مکاری اور ہوشیاری یہ ہے کہ یہ صاف طور پر (اکثر اوقات) یہ نہیں بتاتے ہیں کہ وہ عورت کو اپنی فطرت سے باغی اور نسوانیت کی حدود سے تجاوز کرتے ہوا دیکھنا چاہتے ہیں، اور نہ ہی وہ یہ بتلاتے ہیں کہ وہ اس کی نسوانیت کا استحصال کر کے اس سے حرام طریقہ پر لطف اندوزی کرنا چاہتے ہیں یا اس کے ذریعہ حرام کمائی کرنا چاہتے ہیں، بلکہ وہ ایسے پاکباز مخلصین کی صورت میں سامنے آتے ہیں جو صرف لوگوں کو فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں، عورت کو مختلف سرگرمیوں میں مشغول رکھنے کی اپنی رائے کی تائید وہ مختلف دلائل سے کرتے ہیں جن کا

حاصل یہ ہے کہ :

۱۔ مغرب ترقی یافتہ ہے اور تہذیبی طور پر ہم سے فائق ہے، اور اس نے بھی عورتوں کو ہر طرح کی سرگرمیوں میں شریک کیا ہے، اب اگر ہم اس کی جیسی ترقی کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ہر چیز میں اس کا اتباع کرنا چاہئے کہ تہذیب میں تجزی نہیں ہوتی ہے۔

۲۔ عورت معاشرہ کا نصف حصہ ہے، اسے گھر میں خالی بٹھائے رکھنا اس نصف حصے کو معطل کرنے کے مرادف اور قومی اقتصادیات کے لئے ضرر رساں ہے، یعنی معاشرہ کی مصلحت بھی عورت کی معاشی سرگرمیوں کا تقاضا کرتی ہے۔

۳۔ یہی تقاضا خاندان کی مصلحت کا بھی ہے، اس لئے کہ اس زمانہ میں زندگی کے خرچے بڑھ گئے ہیں اور عورت کی معاشی سرگرمی بالخصوص محدود آمدنی والے خاندان کی آمدنی میں اضافہ کا باعث اور معیشت کے سلسلے میں مرد کے لئے معاون ثابت ہوگی۔

۴۔ خود عورت کی مصلحت بھی معاشی سرگرمیوں میں اس کی شرکت کی متقاضی ہے، گھر سے باہر لوگوں، زندگی اور معاشرہ سے روبرو ہونے سے اس کی شخصیت میں نکھار آئے گا اور اسے وہ تجربات و معلومات حاصل ہوں گی جو اسے گھر میں رہ کر حاصل نہیں ہو سکتی ہیں۔

۵۔ اس طرح اگر عورت معاشی سرگرمی اختیار کرے گی تو وہ زمانہ کی زیادتیوں کا مقابلہ کر سکے گی، اگر اس کے والد کا انتقال ہو جائے، یا اس کا شوہر اسے طلاق دے دے یا اس کی اولاد اس کا خیال نہ رکھے تو ان صورتوں میں معاشی طور پر خود کفیل عورت کو فاقہ اور پریشانیوں کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا، اس بات کی اہمیت اس زمانہ میں اور زیادہ ہے اس لئے کہ آج خود غرضی، والدین کے ساتھ بدسلوکی، رشتہ داریوں کا پاس نہ رکھنے اور اپنی دنیا میں مست رہنے کا دور دورہ ہے۔[۹۷]

۹۷۔ عورت کی معاشی سرگرمیوں میں شرکت، اس کے مؤیدین کے دعووں اور ان کے جوابات کے لئے ملاحظہ ہو: ڈاکٹر مصطفی سباعی کی کتاب: المرأة بين الفقه والقانون۔

ان دلائل کا جواب :

ا- مغرب سے استدلال مندرجہ ذیل کئی وجوہ سے غلط ہے :

(الف) مغرب ہمارے لئے حجت نہیں ہے، اور ہمیں مغرب کو معبود یا قابل تقلید اسوہ سمجھنے کا مکلف نہیں بنایا گیا ہے : قرآن مجید تو ہمیں کافروں سے یہ کہنے کا حکم دیتا ہے : {لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ} [کافرون :٦] (تمہارے لئے تمہارا دین ہے، اور میرے لئے میرا دین ہے)۔

(ب) مغرب میں عورت نے کارخانوں اور تجارت گاہوں کا رخ مجبوراً کیا ہے، اسے روزی روٹی کی مجبوری وہاں لے گئی ہے، اس لئے کہ مرد نے اس کے تکفل سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی، اور معاشرہ ایسا سنگ دل تھا کہ وہاں کسی چھوٹے یا کسی عورت پر رحم نہیں کھایا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے ہماری شریعت میں اس کے نفقہ کی ذمہ داریوں کا ایک پورا نظام بنا کر ہمیں اس سے بے نیاز کر دیا ہے۔

شیخ محمد یوسفؒ نے اپنی کتاب "الإسلام و حاجة الانسانية اليه" میں اسلام میں خاندان کی اہمیت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے : "اس موقع پر یہ ذکر کرنا غالباً مناسب ہوگا کہ فرانس کے زمانۂ قیام میں میں جس گھر میں رہتا تھا اس میں ایک لڑکی کام کرتی تھی، اس کے ظاہری حلیہ سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ کسی شریف خانوادے سے تعلق رکھتی ہے، میں نے گھر کی مالکن سے پوچھا : یہ لڑکی کام کیوں کرتی ہے؟ کیا اس کا کوئی رشتہ دار نہیں ہے؟ جو اسے اس کام سے چھٹکارا دلوا دے اور اس کے خرچوں کا خود انتظام کر دیا کرے، اس نے جواب دیا : یہ اس شہر کے ایک معزز گھرانے کی فرد ہے، اس کے چچا بہت مالدار ہیں، لیکن وہ اس کا بالکل خیال نہیں رکھتے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ لڑکی مقدمہ دائر کر کے عدالت سے اپنے چچا کو اس کا پابند کیوں نہیں بنوالیتی کہ وہ اس کا خرچ اٹھائیں؟ میری یہ بات سن کر وہ عورت حیرت زدہ رہ گئی

اوراس نے مجھے بتایا کہ ملکی قانون اس لڑکی کو یہ حق نہیں دیتا ہے، پھر میں نے اسے اس سلسلہ میں اسلام کا حکم بتایا تو وہ بولی : ہمارے لئے ایسے قانون کون بنائے گا؟ اگر ہمارا قانون ایسا ہوتا تو تمہیں کوئی ایک لڑکی یا عورت گھر سے باہر کمپنیوں، کارخانوں، دفتروں یا سرکاری محکموں میں کام کرتی ہوئی نظر نہیں آتی ''۹۸؎ یعنی مغرب میں عورتوں کی اس بڑی تعداد کو بھوک اور ہلاکت کے خوف نے گھر سے باہر نکالا ہے۔

(ج) جس مغرب کے یہ لوگ مقلد ہیں وہ آج خود عورتوں کی معاشی سرگرمیوں اور ان کے اثراتِ بد سے پریشان ہے، اور وہاں کی عورتیں بھی اس صورت حال سے پریشان ہیں، لیکن ان کے پاس کوئی چارۂ کار ہی نہیں ہے، مشہور مصنفہ ''اناروڈ'' نے اپنے ایک مقالہ میں جو کہ ایسٹرن میل میں شائع ہوا تھا، لکھا تھا کہ : ''ہماری لڑکیاں گھروں میں خادمہ بن کر رہیں یا ان کی طرح کام کریں یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ کارخانوں اور فیکٹریوں میں کام کریں، اس لئے کہ وہاں ان کو ایسی پریشانیاں پیش آتی ہیں جو ہمیشہ کے لئے ان کی زندگی کو بدمزہ کر دیتی ہیں''۔

''کاش ہمارے ممالک میں بھی مسلمانوں کے ممالک کی طرح عورتیں باوقار، پاک دامن، اور پاکیزہ ہوتیں، وہاں خادمہ اور باندی بھی نہایت پرسکون زندگی گزارتی ہے، ان کے ساتھ گھر کے بچوں جیسا برتاؤ کیا جاتا ہے، اور آبروؤں کو نقصان نہیں پہنچایا جاتا ہے، یقینا یہ بات انگریزوں کے ممالک کے لئے عار ہے کہ ہم ان کی لڑکیوں کو مردوں سے بہت زیادہ اختلاط کی وجہ سے رذائل کی ایک مثال بنا دیں، آخر ہم یہ کوشش کیوں نہیں کرتے کہ عورت اپنی فطرت سے ہم آہنگ گھریلو کام کرے اور اپنی عزت کی حفاظت کے لئے مردوں کے کام مردوں ہی کے لئے چھوڑ دے''۹۹؎۔

(د) معاشرہ کی مصلحت کا تقاضہ یہ نہیں ہے کہ عورت اپنی اولین گھریلو ذمہ داری کو چھوڑ

۹۸؎ الإسلام وحاجة الانسانية اليه ص: ۳۰۴۔

۹۹؎ ماخوذ از: الإسلام والجنس از فتحی یکن، ص: ۷۳، ۷۴۔

کرانجینئر، وکیل، رکن ایوان، جج یا کسی کارخانہ کی ملازم بنے، بلکہ اس کی مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ماں اور بیوی کے بطور اس اپنے مخصوص میدان میں سرگرم ہو جس کا اسے فطرت نے اہل بنایا ہے، یہ میدان بازاروں، کارخانوں اور اداروں کی ملازمت سے کم اہم نہیں ہے بلکہ یہ اس سے کہیں زیادہ اہم ہے، نیپولین سے پوچھا گیا کہ فرانس کا سب سے زیادہ مضبوط قلعہ کون سا ہے، اس نے کہا صالح مائیں۔

جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ عورت گھر میں بے کار رہتی ہے، تو وہ یا تو اس بات سے ناواقف ہیں یا ناواقف بنتے ہیں کہ عورتیں گھریلو کاموں اور ذمہ داریوں کی کثرت سے پریشان رہتی ہیں۔ ان کاموں اور ذمہ داریوں میں اس کا مکمل وقت صرف ہوجاتا ہے، بلکہ ان کاموں کے لئے بھی اس کا وقت کافی نہیں ہوتا ہے، اگر بعض عورتوں کے پاس کچھ وقت بچتا بھی ہے تو ہمیں چاہئے کہ ہم اسے اس وقت کو سلائی اور کڑھائی جیسے ان کاموں میں گزارنا سکھائیں جو اس کے لئے مناسب ہیں اور اس کی گھریلو ذمہ داریوں سے معارض نہیں ہیں، (یہ کام وہ گھر میں رہ کر بھی بعض اداروں کے لئے اجرت پر کرسکتی ہے) اس طرح وہ اپنے معاشرہ اور ہم جنسوں کے لئے مفید ہوسکتی ہے نیز فقر، جہالت، مرض اور بے عزتی کا مقابلہ کرسکتی ہے۔

سچ یہ ہے کہ معاشی سرگرمیاں اختیار کرنے والی بہت سی خواتین دیگر خواتین کو اپنی اولاد کی اتالیق یا گھروں کی خادمہ کے طور پر رکھتی ہیں، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گھر کو ایک ایسی عورت کی ضرورت ہوتی ہے جو گھریلو معاملات دیکھے، اور اس سلسلہ میں سب سے بہتر و مناسب گھر کی مالکن ہے، نہ کہ کوئی اور اجنبی خاتون جو کہ عام طور پر پردیسی ہوتی ہے، اور اس کا اخلاقی و دینی معیار، اس کی زبان، اس کے افکار اور عادات بھی مختلف ہوتے ہیں، جیسے کہ خلیجی مما لک میں عام طور پر ایسی خواتین مشرق اقصیٰ کی ہوتی ہیں، اور اس کا نقصان کسی عاقل سے چھپا ہوا نہیں ہے۔

(ھ) خاندان کی بہتری صرف اُس آمدنی کے اضافہ میں نہیں ہے جس کا اکثر حصہ اسباب زینت، باہر نکلنے کے کپڑوں، اور مخلوط زندگی کے خرچوں میں صرف ہوتا ہے، پھر اگر آمدنی میں یہ اضافہ ہوتا ہے تو اس کے بدلہ میں گھر سکون اور انس سے محروم ہوجاتا ہے، عورت گھر میں رہتی ہے تو وہ سکون اور آپسی محبت بھری زندگی گزارتی ہے، جب کہ گھر کے باہر کام کرنے والی عورت جسمانی واعصابی طور پر ٹوٹ جاتی ہے، اور اسے ایک ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہے جو اسے سکون دلائے، اور کوئی اسے سکون نہیں دے پاتا۔

(و) عورت کی مصلحت کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ اسے اس کی فطرت اور مخصوص میدان سے باہر نکالا جائے اور اسے مردوں کے سے کام کرنے کا پابند بنایا جائے، حالانکہ اسے اللہ نے عورت بنایا ہے، اس طرح کی عورتیں بتدریج اپنی نسوانیت سے محروم ہوجاتی ہیں، یہاں تک کہ ایک انگریز مصنف نے ایسی عورتوں کو نئی تیسری صنف'' کا لقب دیا ہے، اور اس کا اعتراف ادبی جرأت سے بہرہ ور متعدد خواتین نے کیا ہے۔

(ز) یہ بات کہ معاشی سرگرمی عورت کے لئے ایک اسلحہ ہوتی ہے، مغرب میں صحیح ہوتو ہو، ہم مسلمانوں کے یہاں تو صحیح نہیں کہی جاسکتی، اس لئے کہ اسلام میں عورت کو اپنی ضروریات کی تکمیل کی فکر نہیں کرنی پڑتی ہے کہ اس کا نفقہ اس کے والد، یا شوہر، یا اولاد، یا بھائی یا کسی دیگر رشتہ دار پر ہی واجب ہوتا ہے، اور اگر مغرب کی تقلید ہونے لگی تو ہماری خصوصیات بھی رفتہ رفتہ ختم ہوجائیں گی۔ بھائی بہن کو نہیں پہچانے گا، انسان اپنے رشتہ دار کی بابت اپنی ذمہ داریوں سے بھاگے گا، اور عجب خودغرضی کی فضا وجود میں آئے گی۔ اس لئے ہمیں اللہ کی شریعت کو مضبوطی سے پکڑے رہنا چاہئے تاکہ دنیاوی مفادات کے مقابلہ میں دینی پہلو غالب رہے۔

مردوں کے کاموں میں عورت کی شرکت کے نقصانات :

اس طرح ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کے کاموں میں عورت کی شرکت اور بلا قیود

وحدود انہماک مندرجہ ذیل متعدد پہلوؤں سے نقصان دہ ہوتا ہے :

۱ــ خود عورت کا نقصان: اس لئے کہ ان کاموں میں مشغول ہو کر عورت اپنی نسوانیت اور خصوصیات ، نیز اپنے گھر اور اپنی اولاد سے محروم ہوجاتی ہے ۔ یہاں تک کہ بعض عورتیں بانجھ ہوجاتی ہیں، اور کچھ لوگ ان کو نئی تیسری صنف'' کا نام دیتے ہیں، یعنی یہ نہ مرد ہیں نہ عورت ۔

۲ــ شوہر کا نقصان : شوہر انس ومحبت کے چشمۂ صافی سے محروم ہوجا تا ہے، وہ اس سے یا تو لڑتی رہتی ہے یا پھر کام کی مشکلات کا تذکرہ کرتی رہتی ہے، اور ساتھیوں سے مقابلہ کرتی رہتی ہے، اور چونکہ وہ یہ سمجھتی ہے کہ وہ شوہر سے بے نیاز ہے اس لئے شوہر اپنی قوامیت میں فرق محسوس کرتا ہے، بلکہ کبھی کبھار تو عورت کی تنخواہ شوہر کی تنخواہ سے زیادہ ہوتی ہے تو عورت کو شوہر کے مقابلہ میں اپنی برتری کا احساس رہتا ہے ۔

پھر بہت سے شوہروں کو غیرت اور شک کا بھی عذاب سہنا پڑتا ہے ۔

۳ــ اولاد کا نقصان : ماں کی شفقت، محبت اور نگہبانی کا بدل کوئی خادم یا اسکول نہیں ہوتا ہے، ماں جب پورا دن گھر سے باہر گزارے گی اور جب گھر لوٹے گی تو تھکی ہاری ہوگی، تو اولاد اس سے کیسے استفادہ کر سکے گی، اس کی جسمانی ونفسیاتی کیفیت حسن تربیت اور مناسب راہ نمائی کی اجازت نہیں دے گی ۔

۴ــ مردوں کا نقصان : کوئی بھی عورت جب گھر کے باہر کی معاشی سرگرمی اختیار کرتی ہے تو وہ ایسی سرگرمی کے اہل مرد کی جگہ لیتی ہے ،لہٰذا جب تک معاشرہ میں بے روزگار مرد رہیں گے عورتوں کے ذریعہ ایسی سرگرمیاں اختیار کرنے سے ان کو نقصان پہنچے گا۔

۵ــ خود کا نقصان : حیض، حمل، ولادت اور رضاعت جیسے جو فطری عوارض عورتوں کو پیش آتے رہتے ہیں ان کی وجہ سے عورت کام سے بکثرت غائب رہتی ہے، اور اس کا اثر کام کی رفتار اور اس کے فائدے پر پڑتا ہے ۔

۶ —اخلاق کا نقصان : اس کے نتیجے میں عورت میں حیاء اور مرد میں غیرت نہیں رہتی، نئی نسل کو بچپن سے مناسب تعلیم وتربیت نہیں ملتی، معاشرہ کا سب سے بڑا ہدف صرف مال کمانا اور آمدنی میں اضافہ ہوجاتا ہے، چاہے اس کے بدلے میں اعلیٰ اقدار وروایات جاتی رہیں۔

۷ —سماجی زندگی کا نقصان : فطرت سے بغاوت اور کسی بھی چیز کو اس کی فطرت سے بے دخل کرنے سے زندگی خراب ہوجاتی ہے، اور اس میں خلل واضطراب واقع ہوتا ہے۔

عورت کے لئے گھر کے باہر کے کام کب جائز ہیں؟

کیا اس تفصیل سے سمجھا جائے کہ ہر حال میں عورت کے لئے گھر سے باہر کے کام شرعاً حرام اور ممنوع ہیں؟

ہرگز نہیں! اس موقعہ پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ کس حد تک اور کن میدانوں میں شریعت نے عورت کو کام کرنے کی اجازت دی ہے۔

ذیل کی سطروں میں ہم اسی کا جواب اختصار اور وضاحت کے ساتھ دینے کی کوشش کریں گے، تاکہ اس نازک مسئلہ میں حق اور باطل بالکل واضح ہوجائے۔

عورت کا وہ اولین اور عظیم ترین کام، جس میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے، تربیت اولاد ہے، اس کام کے لئے اللہ نے اسے جسمانی اور نفسیاتی طور پر تیار کیا ہے، اور یہ ضروری ہے کہ اس عظیم کام سے اسے کوئی مادی یا ادبی کام غافل نہ کرے، اس لئے کہ اس عظیم کام کو عورت کی جگہ اور کوئی انجام نہیں دے سکتا، اس کے اس عمل پر ہی امت کا مستقبل موقوف ہے، اور اسی کے ذریعہ امت کا عظیم ترین سرمایہ یعنی انسانی سرمایہ وجود میں آتا ہے۔

اللہ شاعر نیل حافظ ابراہیم کو غریق رحمت کرے، انہوں نے کیا خوب کہا ہے :

الأم مدرسة إذا أعددتها　　　أعددت شعبا طيب الأعراق

(ماں ایک مدرسہ ہے، اگر آپ نے اس کی اچھی تربیت کر دی تو گویا کہ آپ نے نیک فطرت خاندان تیار کر دیا)۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ گھر کے باہر کا کام عورت کے لئے شرعی طور پر حرام ہے، اس لئے کہ صحیح اور صریح نص کے بغیر کسی چیز کو حرام قرار دینے کا اختیار کسی کو نہیں ہے۔ اور عادی تصرفات واشیاء میں اصلی حکم اباحت کا ہے۔

اس بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ عورت کا کام کرنا فی نفسہ جائز ہے، اور ضررت کے موقع پر مستحب وواجب بھی ہوجاتا ہے۔ جیسے اس خاتون کے لئے جو بیوہ، مطلقہ یا غیر شادی شدہ ہے، اس کا کوئی سہارا نہ ہو، لیکن وہ خود اتنا کمانے کی استطاعت رکھتی ہو کہ دست سوال دراز کرنے اور احسان اٹھانے سے بچ جائے۔

بسااوقات خاوند کو بھی اس کے کام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، مثلاً وہ شوہر کا تعاون کرے، اپنے بچوں اور چھوٹے کی تربیت کرے، یا عمر دراز اولاد کے بڑھاپے میں ان کی مدد کرے، اس کی ایک مثال ہمیں سورہ قصص میں قرآن مجید کے ذکر کردہ اس قصہ میں ملتی ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ ''شیخ کبیر'' کی دو بیٹیاں اپنے والد کے جانوروں کی ذمہ داری اٹھاتی تھیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : {وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ وَوَجَدَ مِن دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّى يُصْدِرَ الرِّعَاءُ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ} [قصص: ۲۳] (مدین کے پانی پر جب موسیٰ علیہ السلام پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں کی ایک جماعت وہاں پانی پلارہی ہے، اور دو عورتیں الگ کھڑی اپنے جانوروں کو روکتی ہوئی دکھائی دیں، تو پوچھا کہ تمہارا کیا معاملہ ہے؟ وہ بولیں کہ جب تک یہ چرواہے واپس نہ لوٹ جائیں ہم پانی نہیں پلاتیں، اور ہمارے والد بہت ہی بڑی عمر کے ہیں)۔

اور کبھی معاشرہ کو بھی عورت کی گھر کی باہر کی سرگرمیوں کی ضرورت ہوتی ہے، جیسے

عورتوں کے دوا، علاج، ان کی تیمارداری اورلڑکیوں کی تعلیم جیسے ان کاموں میں جوعورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔

اس لئے بہتر یہ ہے کہ عورت عورت کے ساتھ ہی کام کرے، مرد کے ساتھ نہیں، بعض حالات میں مرد کے ساتھ کام کرنا مجبوری کی بنیاد پر ہے جس کو مجبوری کے بقدر ہی رکھنا چاہئے ایک مستقل قاعدہ نہ بنانا چاہئے۔

معاشرہ کوعورت کے کام کی ضرورت اس وقت بھی پڑتی ہے جب اسے پیداوار میں اضافہ کے لئے مزید افراد درکار ہوتے ہیں۔

عورت کے لئے گھر کے باہر کی سرگرمیوں کو ہم نے جائز قرار دیا ہے، تو ضروری ہے کہ اس کی کچھ قیود وشرائط ہوں، لہذا ذیل میں اس سلسلہ کی قیود وشرائط ملاحظہ ہوں :

۱ ـــ اس کے ذریعہ انجام دیا جارہا کام فی نفسہ مشروع ہو، یعنی اس کا کام نہ فی نفسہ حرام ہو اور نہ کسی حرام کام کا سبب بنتا ہو، جیسے کوئی عورت غیر شادی شدہ مرد کی خادمہ ہو، یا کسی آفیسر کی سکریٹری ہو اور اس کا کار منصبی اس بات کا تقاضا کرتا ہو کہ ان دونوں کے درمیان خلوت پائی جائے، یا کوئی عورت رقص کر کے جنسی خواہشات کو بھڑکاتی ہو، یا پھر کسی شراب خانہ میں ملازم ہو اور لوگوں کو وہ شراب پیش کرتی ہو جس کے ساقی، لانے والے اور بیچنے والے پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے، یا پھر ایر ہوسٹس ہو، مسکرات پیش کرتی ہو اور بنا محرم کے دور دراز سفر کرتی ہو، نتیجۃً اسے دیار غیر میں (جن میں سے کچھ غیر مامون بھی ہوتے ہیں) تنہا رہنا پڑے، یہ اور ان جیسے وہ تمام اعمال حرام ہیں جو اسلام نے صرف مردوں کے لئے یا مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے حرام قرار دیے ہیں۔

۲ ـــ گھر سے باہر نکلے تو کپڑوں، چال چلن، گفتگو اور حرکات وسکنات میں مسلم عورت کے لئے اللہ سبحانہ وتعالی کے طے کردہ آداب کی پابندی کرے : {وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ

مِنْهَا}[نور:۳۱] (اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس زینت کے جوازخود ظاہر ہو){وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَايُخْفِينَ مِن زِيْنَتِهِنَّ}[نور :۳۱](اور اس طرح زورزور سے پاؤں مار کر نہ چلیں کہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم ہوجائے)۔{فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلاً مَّعْرُوفاً}[احزاب:۳۲](تو نرم لہجے سے بات نہ کرو، کہ جس کے دل میں روگ ہو وہ کوئی برا خیال کرے، اور ہاں قاعدے کے مطابق کلام کرو)۔

۳—عورت کا یہ کام ان دیگر ذمہ داریوں کی قیمت پر نہ ہو جن سے غفلت کرنا کسی بھی طرح جائز نہیں ہے، جیسے شوہر اور اولاد کے تئیں اس کی ذمہ داری جو کہ اس کی اولین ذمہ داری اور اس کا بنیادی کام ہے۔۱۰۰

مسلم معاشرہ سے مطلوب یہ ہے کہ وہ صحیح ترتیب قائم کرے اور ایسے اسباب مہیا کرے کہ (جب اس کی ذاتی مصلحت یا اس کے خاندان یا معاشرہ کی مصلحت تقاضا کرے تو) عورت معاشی سرگرمیاں انجام دے سکے، اس سے اس کی حیاء پر آنچ نہ آئے، دینی، ذاتی اور گھریلو ذمہ داریوں پر حرف نہ آئے، اور عام ماحول ذمہ داریوں کی ادائیگی نیز حقوق کے حصول کے سلسلہ میں معاون ہو۔

اس کے لئے نظام یوں بھی بنایا جا سکتا ہے کہ وہ آدھا کام کرے اور آدھی اجرت پائے (مثلاً ہفتہ میں تین دن) اسی طرح اسے ازدواجی زندگی کی ابتدا میں خوب چھٹیاں ملنی چاہئیں، اور ولادت ورضاعت کے سلسلہ کی بھی اس کے لئے چھٹیاں ہونی چاہئیں۔

اس سلسلے میں عورتوں کے لئے خاص اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں کا قیام عمل میں لایا جائے، جن میں وہ اپنی لئے مناسب ورزشیں کرسکیں، کھیل کھیل سکیں، اور انہیں مختلف قسم کی

۱۰۰۔ عورت کی بابت اسلام کے موقف کو تفصیلی طور پر جاننے کے لئے ملاحظہ ہو : شیخ عبدالحلیم ابوشقہ کی کتاب : **تحرير المرأة فی عصر الرسالة**، یہ چھ جلدوں پر مشتمل ایک انسائیکلو پیڈیا ہے، اور قرآن وسنت کے نصوص سے بھری ہوئی ہے۔

سر گرمیاں انجام دینے کی آزادی حاصل ہو۔

معاشی سر گرمیاں اختیار کرنے والی عورتوں کے لئے وزارتوں، اداروں اور بینکوں میں مخصوص یونٹس بنائے جائیں، جن میں خلوت اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

اس کے علاوہ اور بھی متعدد بے شمار طریقے اختیار کئے جا سکتے ہیں۔

واللّٰہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔